ارشاد السالکین

ارشادات

حضرۃ مولانا محمد اکرم

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان ○ منارہ ○ ضلع چکوال

شیخ العرب والعجم مجدد الطریقت مجتہد فی التصوف شیخ سلسلہ اویسیہ

امام الاولیاء حضرت مولانا

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جن کے فیض سے خدا ناشناسوں کو عرفان کی دولت نصیب ہوئی

اور

اُن کی مجالس میں آنے والے ہر شخص کی زبان سے یہ صدا آئی :

"جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہمراز کردی"

ابتدائیہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ

تصوف وسلوک تعمیر الظاہر والباطن کا نام ہے اور اس کی غائت سعادت ابدی کا حصول ہے جو رضائے باری سے عبارت ہے۔ اس راہ میں مسترشد و مرشد یا شیخ و طالب کا تعلق دراصل اصلاح و تربیّت، اخذ و اعطائے فیض اور عقیدت و شفقت کا ہوتا ہے۔ شیخ و مرشد طالبین یا سالکین کی نگرانی کرتا ہے اور مریدین و طالبین اپنی اصلاح و تزکیہ میں ہر وقت اس طرح کوشاں رہتے ہیں کہ اپنے احوال اور واردات حتیٰ کہ خیالات و خواطر تک کی اطلاع بھی اپنے شیخ کو دیتے رہتے ہیں کہ :

نتواں نہفتن درد از طبیباں

شریعتِ مطہرہ کی پابندی کرتے ہوئے ادب، عقیدت اور اطاعت کے تین تاروں سے دل کو اپنے شیخ کے فیوض و انوار سے جوڑے رکھتے ہیں۔ اس طرح اصلاح و تربیّت کا یہ مرحلہ طے ہوتا رہتا ہے۔ دین ایک دوسرے کی خیر خواہی کا نام ہے۔ اور اس طرح اصلاح و تربیّت کا یہ تعلق اور نظام اس کی ایک عمدہ تعبیر ہے۔

مشائخ سلاسل شفقت علی الخلق کے اس فریضہ کو ہمیشہ سے اس طرح انجام دیتے رہے ہیں کہ طالبین مسترشدین کے احوال کی نگہداشت کرتے ہیں اور اس سفرِ رُوحانی یعنی حصولِ تزکیہ کی کاوشوں میں ان کے مشکلات کو حل کرتے ہیں اور قدم قدم پہ ان کی رہنمائی اور رہبری کرتے ہیں۔

جس طرح طالب کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی اصلاح کے لیے اپنے شیخ سے ربط و تعلق بڑھائے اور اس سے ہر لمحہ ہدایت و تعلیم کا فیضان حاصل کرے۔ اسی طرح شیخ کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ

جن لوگوں نے اپنے تئیں اس مقصد کے حصول کی خاطر اس کے دامن دولت سے وابستہ رہنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ان پر شفقت کرے اپنی توجہات ان کے احوال پہ رکھے، ان کی اصلاح کے لیے کوشاں رہے۔ دُعا و ہمّت سے ان کی نصرت و اعانت کرے۔ انہیں تعلیم دے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ سے کبھی غافل نہ ہو، درحقیقت یہ ایک دو طرفہ ذمہ داری اور رفاقت ہے۔ دونوں ایک ہی منزل کے راہی اور ایک ہی مقصد کے طالب ہیں۔ ایک آگے ہے اور دوسرا اس کے پیچھے چار رہا ہے۔ اس باہمی محبّت و شفقت، عقیدت و اعتماد اور اصلاح و تربیّت کے مخلصانہ تعلق، حب فی اللہ کا اثر ہے کہ اللہ کریم کی طرف سے رحمت و سکینت کا نزول ہوتا رہتا ہے اور ایسے جملہ رفقاء طریق کی منزل آسان ہوتی جاتی ہے اور رحمتِ باری کے سہارے قدم آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اگر کوئی کمزور نو وارد ڈگمگانے لگے تو دوسرا اسے سہارا دیتا ہے اس خیر خواہی اور خلوص و ایثار پہ رحمتِ باری دونوں کو تھام لیتی ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

کسی کے دستِ شفقت نے سہارا دے دیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ

رفقائے طریق کے بعض استفسارات پہ بعض ایسے امور طریقہ پر جن کے معارف و اسرار کے بیان کا داعیہ اس سلسلہ میں شیخ المشائخ حضرت العلام حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جانشین حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کے دل میں منجانب اللہ وقتاً فوقتاً پیدا ہوتا رہا۔ وہ سالکین سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کی رہنمائی کے لیے ماہنامہ "المرشد" میں ارشاد السالکین کے عنوان کے تحت شائع ہوتا رہا ہے۔ ان اسرار و معارف کو جو اس تبلیغی سال کے دوران یعنی سالانہ اصلاحی و تربیتی اجتماع منارہ جو ۹ رجولائی ۸۴ء سے "دار العرفان" میں بفضلہٖ تعالیٰ شروع ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے شائع ہوتے ہیں۔ اس وقت تک کے

جملہ مضامین کو ایک مختصر کتابچہ کی صورت میں اسی عنوان یعنی "ارشاد السالکین" کے تحت سلسلہ عالیہ کے ادارہ نشر واشاعت کے ذریعہ منظر عام پر لایا جا رہا ہے تاکہ سالکین باتمکین کے لیے یہ اسرار و معارف ایک ہی جز میں موجود ہوں۔ اور مطالعہ و تفہیم میں سہولت ہو۔

اللہ کریم حضرت مولانا مدظلہ العالی کے معارف و اسرار کو سالکین و متوسلین کی رہنمائی اور قلبی زندگی کی شادابی و نزہت اور معرفت و بصیرت کا ذریعہ بنائے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید و مستفیض ہونے کی سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین!

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۔

(ادارہ)

حیوٰۃ طیبۃ
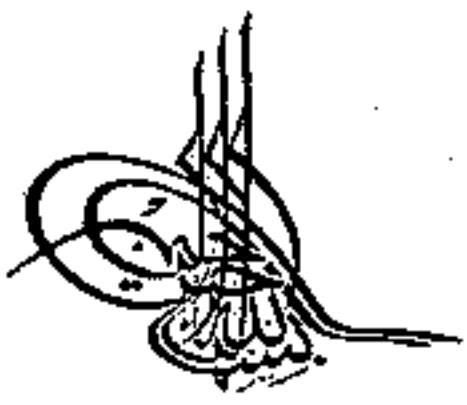
گذشتہ کئی روز سے دل اور دماغ آپس میں اُلجھ رہے تھے۔ دل چاہتا تھا کہ حضرت کے وصال مُبارک کے وہ حالات جو صرف اللہ کی خاص عطا سے اور کشفاً ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور جو واقعات دیکھنے کی سعادت اللہ کریم نے مجھ بے نوا کو بخشی ہے۔ اس میں احباب کو بھی شریک کر لوں۔ مگر ذہن نہیں مان رہا تھا کہ اوّل تو یہ اسرارِ الٰہی ہیں۔ اور ان کا اظہار مناسب نہیں۔ دوم یہ دَورِ جہالت کا ہے۔ اور قحط الرجال ہے۔ ایک طرف لوگ حیاتِ انبیاء کا انکار کیے بیٹھے ہیں۔ اور دوسری طرف سلوک کے ابجد سے بھی ناآشنا جُبّہ و دستار پہنے لوگوں کو نہ صرف بدعات بلکہ مشرکانہ رسُومات میں دھکیل رہے ہیں۔ اس افراتفری میں بحث کا ایک نیا دروازہ کیوں کھولا جائے۔ لیکن آخر دل کی بات ماننا پڑی۔ اور اس لیے بھی ماننا پڑی کہ جس زور سے حیات بعد الموت کا انکار ہے۔ ضروری ہے کہ اثبات بھی علی الاعلان کیا جائے۔ رہی بات بحث کی تو حضرت استاذ نا المکرم و محترم، بحر العُلوم، قلزمِ فیوض، مجدّدِ طریقت، امامُ الاولیاءؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر جامع تصنیفات چھوڑی ہیں کہ اس باب کو بند کر دیا ہے۔ اب اگر کوئی کج بحثی کرے تو اس کا علاج نہیں۔

نیز میرے مخاطب احباب حلقہ یعنی سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے احباب ہیں۔ ان کے علاوہ کسی کو فائدہ ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر بات پسند نہ آئے تو وہ اس مضمون کو

فراموش کر دیں۔

میں عنوان تلاش کر رہا تھا۔ ذہن پہ زور دیا۔ بات نہ بنی دل نے کہا۔ قرآن پاک کھول لو انشاء اللہ عنوان پالو گے۔ میں نے کتاب اللہ کھولا تو یہ آیہ کریمہ سورہ نحل کی سامنے آئی۔ یعنی میری پہلی نگاہ اسی پر پڑی۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ میں نے اس کا عنوان "حَیٰوۃً طَیِّبَۃً" رکھ دیا۔

قبل اس کے کہ اصل مضمون پیش کروں میں حضرت جیؒ کا تعارف بحیثیت ایک صُوفی کامل کے کرا دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ اس لیے کسی حد تک مقاماتِ تصوف وسلوک بیان کرنا ہوں گے۔ تو اس راہ میں ابتدا یا ابجد فنا و بقا ہے۔ مراقبات فنا فی اللہ اور بقا باللہ والا اس قابل ہو جاتا ہے۔ کہ راہِ سلوک پر قدم رکھے۔ آگے کی پہلی منزل سالک المجذوبی ہے جس کی سات منازل ہیں۔ اور ان سات میں تقریباً سوا لاکھ نورانی حجابات ہیں۔ جو سالک کو طے کرنے پڑتے ہیں اور پھر دریائے رحمت عبور کر کے پہلے عرش کی منازل میں داخل ہو جاتا ہے پہلے عرش کے اندر تقریباً سوا لاکھ منازل ہیں اور یہ شمار حتمی نہیں ہے۔ بلکہ ہم نے اندازہ اسی طرح لگایا تھا۔ کہ حضرت جیؒ نے فرمایا۔ مَیں نے ایک سال پہلے عرش کی منازل شمار کیں تو اول سے لے کر سولہ ہزار تک طے کر سکا۔ پھر تین سال اور لگے تب جا کر عرش طے ہوا۔ یاد رہے کہ جُوں جُوں روح آگے بڑھتی ہے اس کی قوت اور رفتار بڑھتی چلی جاتی ہے۔ کوئی صاحب حساب کے قاعدوں میں نہ پھنسیں بلکہ مجھ بے نوا پہ ہی بھروسہ کریں کہ میں نے حضرت جیؒ کی خدمت میں بیٹھ کر مختلف چیزوں کا جائزہ لے کر حساب جوڑا تھا تو اندازاً سوا لاکھ شمار ہوا تھا۔ ان منازل کے درمیان فاصلہ اس قدر ہے کہ ہر نیچے والی منزل سے اوپر والی منزل

اس قدر بلند ہے کہ اگر نگاہ کی جائے تو یوں لگتا ہے جیسے زمین پہ سے کوئی اتنا دُور ستارہ جو معمولی ٹمٹماتا ہُوا نظر آتا ہے۔ اب پورے عرش کی اندرونی وسعت کا خیال خود کرلیں کہ سمندِ عقل یہاں تھک تھک کر گرتا ہے۔

عرش کی تعداد ۹ ہے

آنکہ آمد نُہ فلک معراج او   انبیاء و اولیاء محتاج او

پہلے اور دوسرے عرش کے درمیان کا فاصلہ عرشِ اوّل کی موٹائی سے زیادہ ہے۔ پھر دوسرے عرش کی موٹائی اس فاصلے اور خلاء سے زیادہ۔ علیٰ ہذا ہر عرش کے بعد خلاء بھی ہے اور اسی نسبت سے خلاء اور عرش کی موٹائی بڑھتی بھی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ نویں عرش کی انتہا عالمِ امر کی ابتداء ہے جسے عالمِ حیرت بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہاں سے وہ دائرے شروع ہوتے ہیں جن میں سے ایک ایک کی وسعت میں جہاں گم ہو سکتا ہے۔ اور ہو نا رہا ہے۔ اول تو بے شمار طالبوں کے نزدیک فنا بقا ہی انتہائے سلوک ہے لیکن بعض خوش نصیب جو اس سے آگے چلے سالک المجذوب مشکل بن پائے۔ پھر عرش کی وسعتوں میں سِّ خُدا سرگرداں رہی۔ ان میں برصغیر کے بھی ایسے نامور حضرات شامل ہیں جن کا نام اس غرض سے نہیں گنا سکتا کہ نااہل یہ کہیں گے کہ یہ اپنے آپ کو ان سے اعلیٰ شمار کرتا ہے۔ حالانکہ یہ ہرگز مقصد نہیں۔ میں اپنے کو اُن کی خاکِ پا جانتا ہوں۔ پھر وہ اپنی منزل کو پا گئے اور ہم عالمِ ابتلاء کے گرداب میں ہیں۔ اللہ ہمیں بعافیت ان کے پاس پہنچائے۔ آمین!

ان دائروں کی تعداد ۳۶ ہے اور ان کی وسعتِ بے کراں پہلا دائرہ مقامِ تقرّب ہے جس کی پہنائیوں کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ نو عرش اور دنیا و مافیہا اس کے مقابلہ میں اس طرح ہیں۔ جیسے کہ صحرا میں ایک مُندری۔ اس دائرے میں حضرت علی ہجویریؒ اور حضرت

مجددؒ الف ثانیؒ کی وفات ہوئی۔ یہاں سے آگے کے بعض دوائر کی بات حضرت مجددؒ صاحب نے ارشاد فرمائی ہے مگر وہ سیر نظری ہے۔ جہاں تک ان کی نگاہ نے کام کیا۔ بہر حال چوتھا دائرہ مقام تسلیم ہے۔ جہاں مقاماتِ ولایتِ اولیاء کی انتہا ہے۔ اس دائرے میں ایک ایسی ہستی ملتی ہیں جو بھیرہ میں دفن ہیں اپنے زمانے کے غوث تھے ظلماً شہید کیے گئے۔ اب ان کے اوپر آبادی ہے اور مکان بنے ہوئے ہیں۔ یہ بے نوا ایک بار کسی کام سے بھیرہ گیا تو ملاقات اور حاضری نصیب ہوئی۔ فرماتے تھے کہ ان مکانوں کے رہنے والے اچھے لوگ نہیں ہیں۔ ان کی عورتیں بدکار ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت نشاندہی ہو جائے تو ممکن ہے کہ لوگ جگہ خالی کر دیں۔ تو فرمایا۔ مَیں ہر صاحبِ کشف کو بھی اپنی جگہ دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ اگر نشاندہی ہو گئی تو دنیا بھر کے بدکار یہاں جمع ہوں گے۔ اس سے یہ چند بہتر ہیں۔

خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ اس سے آگے ولایت انبیاء شروع ہوتی ہے۔ جو نبی کو وہبی طور پر حاصل ہوتی ہے۔ اور قبل نبوت بھی حاصل ہوتی ہے جس میں اُمتی صرف اتباعِ پیغمبر کی وجہ سے باریاب ہوتا ہے ورنہ یہ منازل اُمتی کے لیے نہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے شاہی محل میں بادشاہ کے ساتھ خدام بھی رہتے ہیں۔

یہاں سے چھ دائرے عبور کرنے کے بعد ساتواں دائرہ مقام رضا ہے جس کے آخر میں ایک ایسی ہستی ہے جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے خلیفہ اوّل تھے۔ اور یہاں سے آگے پانچواں دائرہ حقیقت رسالت کا ہے جس کی ابتداء میں حضرت سیّد نذیر علی شاہ صاحبؒ (ان کا مدفن کشمیر میں ہے۔ اور غیر معروف ہے) کی وفات ہوئی اور اس دائرہ کی انتہا میں شیخ عبدالقادر جیلانی رح عالمِ بقاء کو سدھارے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

اور بے شمار ہستیاں ہوں گی۔ اُمّتِ محمدیہ ﷺ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اس گزرگاہ میں نقشِ کفِ پائے حبیب ﷺ پہ بوسے دیتے چودہ صد[۱۴] سال بیت چکے ہیں۔ میں نے صرف ایک دو نام تبرکاً گنوانے کی جسارت کی ہے۔

آگے چھٹا دائرہ مقامِ افراد ہے۔ جس میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ملتے ہیں۔ یہاں ایک بات یاد رہے کہ یہ بہت نازک مقام ہے۔ حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے جب بات کی تو ان پر فتویٰ لگا تھا کہ یہ اپنے آپ کو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل جانتا ہے لیکن یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب نبی ان مقامات سے گزرتا ہے تو بحیثیت نبی کے گزرتا ہے۔ صحابی گزرتا ہے تو بحیثیت صحابی کے گزرتا ہے اور ولی گزرتا ہے تو ان کا کفش بردار ہو کر۔ ورنہ قرونِ ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر کا مرتبہ شانِ ولایت کی رسائی سے بالاتر ہے۔ رہی بات فتووں کی تو وہ لوگوں کا مزاج بن چکا ہے۔ جب معاملہ عنداللہ درست ہو تو فکر کی بات نہیں۔ ممکن ہے فتویٰ لگانے والے بھی خلوص سے کام لے رہے ہوں مگر حالات کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے معذور ہوں۔ اللہ کریم ہم سب کو ہدایت پر رکھے آمین!

اس کا اگلا دائرہ قطبِ وحدت کا ہے اور اس کے بارے مناسب ہو گا کہ میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک الفاظ نقل کر دوں۔

"یہ وسیع دائرہ ہے۔ ڈیڑھ سال بندہ اس میں سرگرداں رہا۔"

اس مبارک روح کی قوت پرواز اور رفتار کا اندازہ کر کے اس دائرے کی وسعت کا خیال کیا جائے تو بات حساب و شمار کی حدود کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔

اگلا مقام دائرہ صدیقیت ہے اور پھر قربِ نبوت[۱]، قربِ رسالت[۲]، قربِ اولوالعزمی[۳] قربِ محمدی[۴]، وصالِ محمدی[۵]، رضائے الٰہی[۶]، قربِ الٰہی[۷]، وصالِ الٰہی[۸]، قربِ رحمت[۹] بحرِ رحمت[۱۰]، خزانہ رحمت[۱۱] اور منبع رحمت[۱۲] یہ بارہ دائرے ہیں جن کی وسعتیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے

یہاں حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ تقریباً ایک چوتھائی سلوک یہاں طے ہو جاتا ہے۔ میری ناقص رائے میں جو اصحاب یہ لکھ دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے سلوک مکمل طے کر لیا۔ شاید وہ کچھ اندازہ کر سکیں۔

اس سے آگے حجاباتِ الوہیت ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ یہ ۹ اکتوبر ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ حضرت جیؒ نے فرمایا تھا کہ یہ بدکار سوم حجاب میں ہے۔"

میں نے یہاں بھی حضرت جیؒ کے الفاظ نقل کرنے کی جرأت کی ہے۔ حجاباتِ الوہیت ختم ہو کر قربِ الٰہی شروع ہوتا ہے۔ وہاں مقامات و منازل کی تعیین نہیں ہو پاتی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ حضرت کا وصال ۱۸ فروری ۱۹۸۴ء کو ہوا۔ یعنی سترہ سال چار ماہ اور نو روز بعد ان ساڑھے سترہ برسوں میں اس مسافر کو رب ذوالجلال نے جس قدر بلندی منازل طے کرائی یہ بات وہ خود ہی جانتا ہے۔

اب اس کا دوسرا پہلو مناصب کا ہے۔ اقطاب غوث وغیرہ اور یاد رہے کہ غوث روئے زمین پہ ایک وقت میں ایک ہوتا ہے۔ گاہے ترقی پا کر قیوم بنتا ہے اور پھر فرد۔ اگر اس سے ترقی نصیب ہو تو پھر قطبِ وحدت اور قطبِ وحدت اگر ترقی کرے تو صدیق بنتا ہے۔

خدا کے لیے ان الفاظ کو خارزارِ لغت میں گھسیٹنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ کہ یہ اسماء ہیں مراتبِ ولائیت کے اور مناصب اولیاء اللہ کے نام ہیں۔

پھر میں عرض کر دوں کہ نبی کے مناصب و منازل بحیثیت نبی، صحابی کے بحیثیت صحابی اور ولی کے بحیثیت ولی ہوتے ہیں۔

منصبِ صدیقیت کی آخر ایک اور صرف ایک مقام ہے یا منصب ہے۔ جسے قربِ عبدیت کہتے ہیں۔ اور وہ حضرت جیؒ اللہ اُن پہ کروڑوں رحمتیں برسائے کو نصیب تھا

والحمدللہ علیٰ ذالک۔

یہ جملہ امور دلائل ذوقیہ سے متعلق ہیں اور صرف صاحب ذوق و احوال حضرات ہی جان سکتے ہیں یا پھر اعتماد ہو بیان کرنے والے پر۔ مگر ایک دلیل ایسی بھی پیش کرنا چاہوں گا جسے ہر صاحب عقل بھی سمجھ سکے اور وہ یہ کہ برکاتِ نبویؐ میں ایک کمال یہ تھا کہ ہر آنے والا صحابیؓ بن جاتا تھا۔ مرد، عورت، بچہ، بوڑھا، عالم، جاہل، شہری یا بدوی گورا ہو یا کالا۔ ہر آنے والا ایک نگاہ میں درجہ صحابیت حاصل کر لیتا تھا۔ پھر خود صحابہ کرامؓ کے اندر جو مدارج ہیں وہ علیحدہ بات ہے۔ صحابہؓ میں بھی یہ کمال منعکس اور منتقل ہوا کہ ان کی صحبت اور زیارت سے مشرف ہونیوالا تابعی بن جاتا تھا۔ تابعین کو بھی یہ کمال حاصل ہوا کہ ان کی نگاہِ شفقت تبع تابعی بنا دیتی ہے خیر القرون کے بعد اُمتِ مرحومہ میں بیشمار جلیل القدر ہستیاں آئیں اور اللہ نے ہر دور اور ہر ملک میں بہت اعلیٰ مدارج کے حامل اولیاء اللہ پیدا فرمائے لیکن ساری تاریخ میں کوئی ایسی ہستی نہیں مل سکتی جس کے پاس حاضر ہونے والے تمام آدمیوں کے دل منوّر ہو جائیں۔ لطائف روشن ہو جائیں اور ولایت خاصہ سے کچھ نہ کچھ ضرور مل جائے۔ بلکہ بے شمار افراد آتے جن میں سے مخصوص چند حضرات ایسے خوش نصیب ہُوئے جو سینہ روشن لے کر جاتے۔ باقی سب لوگ ظاہراً بیعت اور تعلیمات ہی تک رسائی پاتے اور بس۔

یہ حقیقت کسی ایک یا دو یا چند حضرات کے بارے عرض نہیں کر رہا۔ بلکہ یہ چودہ صدیوں پہ پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور جب اس کے ساتھ نگاہ قلزمِ فیوض بحر العلوم حاملِ قربِ عبدیت حضرت استاذی المکرم محترم کی جانب اُٹھتی ہے تو وہی بہار لٹتی نظر آتی ہے یعنی خدمت میں آنے والے ہر آدمی کا سینہ منور ہو جاتا ہے۔ ایک نگاہ میں لطائف چمکنے لگتے ہیں کوئی بھی فیوضات و برکات روحانی و قلبی سے محروم نہیں رہتا۔ یہ اور بات ہے کہ جس

کا جتنا ظرف ہے یا جتنا نصیبہ ہے۔ اتنا ہی پا سکتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت واضح ہے کہ لا یشقٰی جلیسہ اور اس گئے گذرے دَور میں بارگاہ نبویؐ میں کشفاً اور روحانی طور پہ باریاب ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک بڑھ جاتی ہے۔ سُبحان اللہ۔

یہ چند سطور بطورِ تعارف لکھ دی ہیں کہ احباب کو کسی حد تک اپنے شیخ کی عظمت کا اندازہ نصیب ہو۔ اب وصال کے حالات درج کرتا ہوں۔

وما توفیقی اِلّا باللہ العلی العظیم۔

یوں تو یہ ۱۹۷۶ء کی بات ہے جب مَیں حضرت جیؒ کے ہمرکاب تھا تو روضہ اطہر سے رخصت ہونے کا منظر فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت سر جھکائے دست بستہ پرکاہ کی طرح لرزاں کھڑے تھے اور اس شدت سے رو رہے تھے کہ جسے زار و قطار کہا جائے۔ تو غالباً مفہوم ادا نہ ہو۔ حضرت ٹوٹ کے برسے اور بلک بلک کر روئے۔ اس قدر مضبوط اور عظیم انسان نے جس نے مردانہ وار ہر اس طاقت کو للکارا جو اسلام کے خلاف ابھری۔ اور زندگی بھر عصمتِ رسول ﷺ اور عصمت صحابہؓ کی پاسداری کی۔ جسے میں نے سفر و حضر میں، ہنگاموں اور اجتماعات میں اور تنہائی و علیحدگی میں ہر حال میں ایک چٹان کی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ مضبوط پایا۔ اس ہستی کو اس طرح ٹوٹتے بکھرتے اور قدموں پہ نثار ہوتے دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ آپ کی یہ آخری حاضری ہے اور پھر شاید اس مادی جسم کے ساتھ حاضر نہ ہوں۔

اس کے بعد کتنے پروگرام عمرہ کے لیے اور حرمین شریفین کی حاضری کے بنے۔ ہر بار میں نے جناب کرنل مطلوب حسین صاحب سے یہی عرض کیا کہ میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اب حضرت وہاں حاضر نہیں ہو رہے اور ہر بار وہی ہوا لیکن اس میں ایک بات تھی۔ یہ کھٹکا نہ تھا کہ حضرت کا فوراً وصال ہو جائے گا۔ صرف یہ تھا کہ اب شاید دوبارہ حرمین شریفین

میں حاضر نہ ہوں۔

پھر پچھلے سال احباب کو یاد ہوگا۔ کہ جب لنگر مخدوم کے پروگرام پر حضرت جیؒ نے سلسلہ عالیہ کیلئے خصوصی احکام و ہدایات ارشاد فرمائیں تو جناب کرنل قریشی صاحب (مرحوم) بندہ کے پاس تشریف لائے اور مبارکباد دی کہ تمہیں حضرت نے بہت نوازا ہے اور اللہ کا بڑا احسان ہے۔ تو انہیں یاد ہوگا کہ میری آنکھیں جل تھل تھیں اور میں نے اُن سے عرض کیا تھا کہ مجھے اس میں حضرت کے وصال کی خبر نظر آتی ہے۔

وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا حضرتؒ کی خدمت میں حاضری اور معمولات جاری رہے کہ امسال جنوری میں مجھے اوکاڑہ ایک سیرۃ کانفرنس پہ جانا پڑا جو چھاؤنی میں منعقد ہوئی تھی۔ واپس آکر میں نے حضرت جیؒ کی خدمت عالیہ میں حاضری دی۔ بہت دیر تک جلسہ کی کارروائی کا پوچھتے رہے۔ بہت خوش ہوئے اور پھر احباب سے بھی بارہا اس کا تذکرہ فرماتے رہے۔

اس دن حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے کچھ تکلیف ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ غالباً کوئی دوائی ایسی کھالی ہے جس سے منہ اور زبان خشک ہے۔ یہ تکلیف بڑھتی رہی تاآنکہ دہن مبارک اندر سے پھٹنے لگا اور خون رسنا شروع ہوگیا۔ کھانا تو درکنار کوئی چیز پینا بھی مشکل ہوگیا۔ راولپنڈی اطلاع گئی اور کرنل محمد بشیر کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ حضرتؒ کی زندگی کے آخری سفر میں ہمرکاب تھے۔

اسلام آباد جناب فضل کریم بٹ صاحب کے گھر میں حضرت جیؒ کا علیحدہ کمرہ ہے آپ وہاں تشریف لے گئے۔ دوسرے دن بندہ بھی حاضر ہوا۔ احباب جمع تھے۔ علاج شروع ہوا اور بحمد للہ جس حد تک ممکن تھا علاج ہوا۔ احباب نے جی بھر کے خدمت کی اور جھولیاں بھر بھر کر انوار و کیفیات کو لُوٹا۔ دُور دراز سے احباب حاضرِ خدمت ہوتے رہے

اور دیدار پُرانوار سے دل و نگاہ کو روشن کرتے رہے۔ تکلیف بڑھتی گئی۔ غذا تو درکنار حضرتؒ بات کرنے سے بھی عاجز تھے۔ لکھ کر ارشاد فرماتے تھے۔ کاپی اور پنسل میز پر رکھی رہتی پھر مزید تکلیف بڑھی تو ملٹری ہسپتال میں حضرت کو لایا گیا۔ ایک خصوصی کمرہ حضرتؒ کے لیے تھا اور ڈاکٹروں کا بورڈ۔ یہ سلسلہ کافی دنوں چلا کہ طبیعت سنبھل گئی۔ جناب ڈاکٹر عظمت اور خادم ملک احمد نواز صاحب شب و روز بارگاہ عالی میں حاضر تھے۔ گھر سے بھی لوگ آئے اور شرف ملاقات حاصل کر کے واپس ہوئے۔ نیز حضرتؒ بہت تسلی دیتے تھے اور سب کو ہمت اور حوصلے کی تاکید فرماتے کہ بندہ ایک شام کو حاضر ہوا۔ بہت سے احباب تھے اور حضرتؒ مختلف صاحب نظر خدام کو مشائخ سے رابطہ کراتے اور حالات کے بارے سوال فرماتے جس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ مشائخ سے پوچھو میں کس روز گھر جا رہا ہوں۔ اس روز جمعرات تھی تو جواباً ارشاد ہوا کہ اگلے اتوار کو آپ گھر تشریف لے جائیں گے کہ بندہ سے مخاطب ہوئے تو باتوں کے علاوہ میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ آپ کا چلہ پورا ہو چکا ہے۔ میری ناقص رائے میں آپ کی آخری منازل کا تقاضا تھا کہ من جانب اللہ آپ سے مجاہدہ کرایا گیا، خوراک ختم، بات کرنا ختم اور آنکھ جھپکنا ختم ہو گیا۔ یعنی قلت طعام قلتِ کلام اور قلتِ منام کا وہ کڑا معیار پورا کرایا گیا۔ جو صرف ان ہی کا حصہ بھی تھا اور حوصلہ بھی کہ کسی نے آپ کے لب مبارک سے اُف تک نہ سُنی۔ نماز ادا فرماتے تو بمشکل اشارے کے ساتھ اور پھر احباب کو رخصت فرمانے کا انداز جداگانہ تھا۔ ہر ساتھی کو بالکل اس طرح رخصت فرمایا جیسے یہ آخری بار رخصت فرما رہے ہیں۔ غالباً اہل فہم نے محسوس بھی کیا ہو گا اور گھر سے بھی جب خود رخصت ہوئے تو بالکل فارغ ہو کر تمام مسائل کا حل عطا کر کے کہ میرے بعد کیا کرنا ہو گا۔ جائیداد کا کیا ہو گا۔ اور کس آدمی کو کیا فریضہ سونپا جائے گا۔ میری

قبر کہاں ہوگی۔ اور اس کے ساتھ کیا کچھ تعمیرات کی جائیں۔ سلسلہ عالیہ کے احباب کس طرح اپنا کام جاری رکھیں گے۔ غرض ہر طرح سے مکمل ہدایات دیں۔ اور یہ اس کا ثبوت ہے کہ آپ کے وصال کے بعد کوئی ایسا سوال موجود نہیں جس کا جواب حضرتؒ عطا نہ فرما گئے ہوں۔ خیر جو بات میں نے منازل کے بارے میں عرض کی تھی دراصل تو وہ بھی وصال کی خبر تھی کہ جہاں تک منازل طے فرمانے تھے۔ بحمد اللہ پورے ہوئے۔ بندہ نے دوسرے روز جمعہ پنڈی پڑھایا اور واپس آگیا۔ حضرتؒ اسلام آباد تشریف لے گئے۔ بیماری دُور ہونے لگی تاآنکہ ڈاکٹروں نے علاج ختم کر دیا۔ بندہ حاضر ہوتا رہا اور آخری بار جمعرات کو حاضر ہوا مختلف باتیں مختصراً ارشاد فرمائیں اور واپسی کی اجازت بخشی۔

جمعہ منارہ پڑھا۔ ہفتے کے روز طبیعت بے چین سی تھی تو بندہ گھر سے نکلا۔ راستے میں عزیزم خدا بخش کو لیا اور ڈلوال محمد یوسف صاحب کے پاس چلا گیا۔ بات دراصل یہ تھی کہ دل کو قرار نہ تھا۔

اثنائے راہ میں عزیزم خدا بخش سے بات بھی کی کہ حضرتؒ کی طرف سے دل بہت متفکر ہے اور باوجود اس کے کہ حضرتؒ روبصحت ہیں۔ مجھے حضرتؒ کے صحت یاب ہو کر واپس آنے کی امید نہیں۔ پھر محمد یوسف صاحب سے پنڈی جانے کا پروگرام بنا اور واپس آگئے۔ اب میں وہ بات عرض کروں جس کی خاطر یہ تمہید عرض کی ہے۔

میں نے مغرب کی نماز ادا کی تو انوار کی بارش نے گھیر لیا۔ حتیٰ کہ میرے لیے بیٹھنا محال ہوگیا۔ میں بستر پر لیٹا تو استغراق طاری ہوگیا۔ استغراق راہ سلوک کی ایک کیفیت ہے جس میں ظاہر بدن بے حس ہو جاتا ہے اور روح پوری طرح متوجہ الی اللہ بھی ہوتی ہے۔ جسم کی حالت سے باخبر بھی یہاں تک کہ لوگوں کی باتیں سنائی دیتی ہیں۔ جواب دینے کی ہمت

نہیں ہوتی۔

یہ ساڑھے چھ بجے شام کا وقت تھا کہ بارگاہ نبوّت سجی تھی۔ مجھے تقریباً پچیس سال ہوتے ہیں کہ میں بارگاہِ نبوت کی حاضری سے مشرف ہوں۔ الحمدللہ مجھ بے نوا پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ شیخ کامل کو وسیلہ بنا کر میری جوانی کی طویل راتوں کو محفل نبوی ﷺ سے چراغاں کر دیا۔ غالباً یہ شعر اگر میں اپنے شیخ کے لیے عرض کروں تو سب سے زیادہ مناسب ہوگا۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی

مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

میں نے اس طویل حاضری میں اس طرح کا اجتماع نہ دیکھا تھا۔ خصوصاً شیخین کریمین امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رض کو بہت زیادہ متوجہ پایا۔ اور خصوصی اہتمام میں حضرت جی رح کو گھرا پایا۔ میں بے نوا ہمرکاب تھا۔ بہت شاندار اور عجیب طرح کا لباس حضرت رح کے زیب تن تھا۔ سر پہ تاج جگمگا رہا تھا۔ خصوصی نشست بنی تھی۔ اور نبیٔ رحمت ﷺ تبسم کناں ابرِ رحمت برسا رہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ عزت افزائی جو ایک بالکل انوکھی طرز پر ہے۔ غالباً حضرت جی رح کو کوئی بہت ہی خاص منصب عطا ہو رہا ہے اور یہ کیفیت ساڑھے چھ بجے سے لے کر پونے آٹھ بجے تک رہی۔ میں نے حضرت جی رح سے بارہا سنا تھا کہ مراقبہ فنا فی الرسول ﷺ اگر مضبوط ہو تو ایسے لوگوں کی ارواح قبض کر کے پہنچائی نہیں جاتیں بلکہ روح تو دربارِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوتی ہے اور ملک الموت جسم سے دنیوی زندگی والا تعلق ختم کر دیتا ہے لیکن اس کا مشاہدہ اس روز ہوا اور حضرت جی رح کے وصال پہ ہوا کہ جن مبارک ارواح کو حضوری حاصل ہوتی ہے۔ انہیں کس طرح شرف باریابی حاصل ہوتا ہے۔ ساری کیفیات کو نقل کرنا محال ہے۔ اگر احباب میں سے کسی کو شوق

ہو تو صاحب کشف احباب کو انشاء اللہ ایک نگاہ میں ساری کیفیات دکھائی جا سکتی ہیں اور دوسروں کو اگر شوق ہو تو محنت کریں کہ باطن روشن ہو جائے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

میں اسی طرح ان کیفیات میں مستغرق تھا کہ عزیزم کرنل محمد اکرم صاحب کی طرف سے ٹیلیفون پر اطلاع پا کر ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور حضرت جیؒ کے وصال کی خبر دی میں اگرچہ بڑی شدت سے اپنی کیفیات میں مستغرق تھا۔ مگر صحن میں یہ آواز کہ حضرتؒ کا وصال ہو گیا ہے سن کر استغراق ختم ہو گیا۔ میں اٹھ بیٹھا۔ گاڑی نکالی اور راولپنڈی روانہ ہو گیا۔ جسد مبارک اپنے کمرے میں محو استراحت تھا اور روح مبارک اعلیٰ علیین میں متوجہ الی اللہ۔ احباب پروانہ وار نچھاور ہو رہے تھے۔ پشاور سے لاہور تک آنے والے آ رہے تھے کہ دو۲ بجے رات حضرت کے جسد مبارک کو غسل دیا گیا۔ زاہد صاحب خصوصی خدمت پر مقرر تھے اور باقی جملہ احباب بھی اپنا اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔ سحری کو تین بجے وہاں سے نکلے۔ میں زندگی میں آخری بار حضرت جیؒ کی موٹر چلا رہا تھا۔ فجر کی نماز دارالعرفان میں ادا کی اور یہاں میں نے روح پر فتوح کو دارالعرفان کی طرف متوجہ پایا۔ برادرم کرنل مطلوب حسین صاحب مسلسل اصرار کر رہے تھے کہ حضرت جیؒ سے اجازت کیوں نہیں حاصل کرتے کہ جسد مبارک کو دارالعرفان میں دفن کیا جائے میں نے پوری کوشش کی۔ عرض کیا کہ حضرت آپ کے اہل خانہ کو یہاں گھر بنا کر پیش کرینگے اور ہر طرح سے آرام میں ہوں گے انشاء اللہ۔ مگر نہیں فرمایا۔ زندگی میں بے شمار افراد کو مجھ پر بھروسہ تھا اور اللہ نے مجھے ان کا آسرا بنا دیا تھا۔ تم سب کو یہاں نہیں لا سکتے۔ اب میری قبر اُن کے لیے ایسی ہی آسرا ہو گی۔ جس طرح زندگی میں میری ذات تھی اور آپ نے حرف حرف حق ارشاد فرمایا۔ سبحان اللہ۔ کیا لجپال لوگ تھے۔ اللہ ان پر کروڑوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

مَیں حالات دنیوی اور دفن کے ارکان کی تکمیل عرض کرنا نہیں چاہتا۔ کیفیات عرض کر رہا ہوں حتیٰ کہ پچھلے پہر جنازہ اُٹھا۔ پہلے عصر کی نماز اور پھر نماز جنازہ مجھ بے نوا نے پڑھائی۔ لحد میں اتارا۔ ایک ہجوم عاشقاں تھا جسے سنبھالنا میرے بس سے نکل نکل رہا تھا۔

اپنا دل درد سے پھٹنے کو آ گیا تھا۔ لیکن مجبور تھا کہ مجھے بے شمار یتیموں کے سر پہ ہاتھ رکھنا تھا۔ اگرچہ میں خود یتیم ہو چکا تھا۔ مگر بحمد اللہ بالغ تھا۔ مگر مجھ سے چھوٹے میرے ساتھ لپٹ رہے تھے۔ سو بحمد اللہ تمام مراحل طے ہوئے اور یہ اتوار کی شام تھی جس کے بارے مشائخ کرامؒ نے اطلاع دی تھی کہ آپ گھر پہنچ جائیں گے۔ اس سے مراد دنیا کا گھر تھا۔ تو بھی اور برزخ کا مکان تھا تو بھی دونوں طرح سے درست ثابت ہوئی۔

میں ذرا سخت مزاج اور مضبوط قسم کا آدمی ہوں۔ مجھ پہ گریہ طاری نہیں ہوا کرتا۔ یہاں تک کہ بیت اللہ شریف کے سامنے لوگوں کو دھاڑیں مارتا دیکھ کر جی چاہتا کہ مَیں بھی روؤں لیکن کیسے ؟

اور پھر دوسری حضرت جیؒ کے ہمرکاب عمرہ کے لیے حاضری نصیب ہوئی۔ تو مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر کے قریب عشاء کے وقت ایک ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھا تو حضور اکرمﷺ کے مدنی حیاتِ مبارکہ کے مختلف حالات و مناظر منکشف ہونا شروع ہوئے۔ جب بات وصالِ نبوی پر پہنچی۔ حضور کا سفر آخرت منکشف ہوا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا کس طرح محبوب کو لحد میں اتار رہے ہیں۔ اور کس دل سے قبر اطہر پہ مٹی ڈال رہے ہیں تو دل پھٹ پڑا۔ رونا آیا اور یوں آیا کہ آج تک نہیں تھما۔ خود ہی بیان کر رہا ہوتا ہوں اور خود ہی رو بھی رہا ہوتا ہوں اور پھر رہی سہی کمی حضرت جیؒ کے سفر آخرت نے پوری کر دی۔

میں نے خود قبر کو سنوارا۔ خود پتھر اپنی گاڑی پر لاد کر ڈھوئے۔ حضرتؒ کا جنازہ پڑھایا

اور اپنے شیخ اپنے بزرگ، اپنے مربّی اور اپنے استاد کو لحد میں اتروایا۔ وجود مبارک، زاہد صاحب اور کرنل سلطان کے ہاتھوں میں تھموایا۔ کیا کڑی آزمائش تھی۔ کہ کرنل سلطان جیسا مضبوط آدمی جھلک پڑا اور جسدِ مبارک سے چمٹ گیا۔ پھر مٹی ڈالی اور قبر بنا دی۔

تو مَیں نے جو احبابِ بصیرت مجھے مل سکے۔ سب کو جمع کر کے قبر شریف کے پاس بٹھایا کہ جو سمجھ آئے مجھے بھی اطلاع کرنا۔ لیکن واللہ و باللہ جیسے قبر پہ مٹی ڈالی گئی تو ایک تجلی تھی ایک جلوہ تھا۔ ایک چمک تھی جو ایک آن میں لپکی اور حضرتؒ بھی اسی کے ساتھ منازلِ بالا کو تشریف لے گئے۔ اگر فرشتے تھے تو اسی چمک میں تھے اور اگر سوال جواب ہُوئے تو اسی میں ہوئے ہونگے اگر بارگاہِ ربّ العزت کی پیشی ہوئی تو اسی میں ہوئی ہوگی۔ ہم ناکارہ تو اس سے آگے کچھ نہ دیکھ سکے۔

اس کے بعد کیا ہوا، کیا ہو رہا ہے اور کیا ہوگا یہ الگ بات ہے۔ ہاں اتنا عرض کروں کہ حضرت جیؒ نے دو باتیں ارشاد فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ پوری توجہ اور محنت سے جماعت کو چلاؤ انشاء اللہ کوئی روکاوٹ نہ ہوگی۔ اگر کوئی اختلاف کر کے جانا چاہے تو اسے پیچھے سے آواز دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تمہیں کسی کا محتاج نہیں رکھے گا۔ ممکن ہے الفاظ کچھ حد تک بدل گئے ہوں۔ مفہوم یہی تھا اس ارشادِ نبویؐ کا کہ جس سے اُسی شام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے نوا کو نوازا۔ دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ فضل کریم بٹ صاحب نے میری بہت خدمت کی ہے۔ جماعت کے دنیاوی امور میں ان سے مشورہ لیا کرنا۔ ان کی تعمیل میں مَیں نے انہیں ناظمِ اعلیٰ صاحب کا مشیر مقرر کیا ہے۔ جملہ احباب کو اطلاع رہے۔ تیسری بات آپ کے گھر کے بارے میں تھی۔ یہ جملے احبابِ حلقہ اور اصحابِ ذوق حضرات کے لیے ہیں۔

نہ کسی کو مخاطب کیا ہے نہ کسی سے غرض۔ ایک کیفیت بطورِ امانت تھی جو نقل کر دی میرے خیال میں اس پہ کسی کو فتویٰ صادر کرنے کا تکلف نہ کرنا چاہیئے لیکن اگر کوئی نہ ہی

رہے تو اپنا شوق پورا کرلے۔ میں سب کے لیے صرف دعا کروں گا، تاکہ اللہ جملہ مسلمانانِ عالم کو استقامت علی الدین نصیب فرمائے۔ خصوصاً احبابِ حلقہ کو ہمت و استقامت اور بلندیٔ درجات عطا کرے۔ مجھ بے نوا کو دین کی خدمت کی توفیق ارزاں فرمائے۔ اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے اور برزخ اور آخرت میں شیخ المکرم کے ساتھ بارگاہِ نبوی میں بار یاب رہنے کی توفیق ارزاں رکھے۔ آمین!

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

فقیر بے نوا دعاگوئے عالم
محمد اکرم اعوان
(منارہ ، ضلع چکوال)

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونومن بہٖ ونتوکل علیہِ و نعوذ باللہ من شرورانفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادیَ لہ ونشھد ان لاالٰہ الا اللہ ونشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ۔اَما بعد فاعوذُ باللہ من الشیطٰن الرجیم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یہ چند سطور احباب کی خدمت میں اس غرض سے پیش کی جاتی ہیں کہ کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو کر کوئی بھی شخص ضائع نہ ہو جائے۔شیطان مردود اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ اور نفس ہر انسان کے ساتھ۔ اپنے لیے، تمام احباب کے لیے اور جملہ مسلمانان عالم کے لیے ان کے شر سے اللہ کی پناہ کا خواستگار ہوں۔

یاد رہے کہ جب بھی کوئی عظیم انسان دنیا سے اٹھتا ہے تو اگرچہ اس کی خالی کردہ جگہ پر نہیں کی جاسکتی۔ مگر اسے ہر کس وناکس کے لیے خالی بھی نہیں چھوڑا جاسکتا۔ ورنہ جس قدر عظیم فوائد حاصل ہو رہے ہوتے ہیں۔ ان سے بڑے نقصانات اٹھانا پڑتے ہیں اللہ کریم ایسی صورت سے محفوظ رکھے۔آمین۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ دارِ دنیا سے پردہ فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مگر

یاد رہے کہ حضرت سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے اس دور کے بانی شیخ تھے۔ ہیں اور رہیں گے۔
نسبت اویسیہ روح سے روح کے مستفید ہونے کا نام ہے اور دنیا ہو یا برزخ، روح
سے استفادہ یکساں ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا میں ہر شخص خدمت عالیہ میں حاضر
ہو سکتا تھا۔ اور برزخ میں کسی ایسے آدمی کی ضرورت پیش آجاتی ہے جو برزخ تک اس
کی رہنمائی کرے اور وہاں تک آدمی کو پہنچائے اور ایسا وہی شخص کرتا ہے۔ جو ان حضرات
کا خادم یا نمائندہ ہو۔ فیض انہی کا ہوتا ہے۔ مگر اس کی تقسیم اس ایک وجود کے ذریعے ہوتی
ہے۔ اسی کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔

خلیفہ سے مراد وہ شخص ہوتا ہے۔ جو اس کا قائم مقام ہو اس کی جگہ پہ کام کرے
اور وہ شخص اسی عزت و احترام کا مستحق ہوتا ہے۔ جو اس کے شیخ کے لیے ضروری ہے کہ
یہ عزت اس کی ذات کی نہیں بلکہ اس کے منصب اور مقام کی ہوتی ہے اور یہ طریقہ بھی
یاد رکھیں کہ اس کے بعد دوسرے لوگ اس کے خلیفہ کہے جا سکتے ہیں۔ وہ بھی ایک آدمی جو
اس کی جگہ آئے اور یہ تب ہو سکتا ہے جب وہ برزخ میں چلا جائے جس طرح سیدنا ابوبکر صدیقؓ
خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے جب وہ رخصت ہوئے اور حضرت فاروق اعظمؓ سریر آرائے
خلافت ہوئے تو آپ کو کسی نے خلیفہ رسول اللہ کہہ کر پکارا۔ آپ نے منع فرما دیا اور فرمایا حضور
کا خلیفہ ابوبکرؓ تھا۔ میں تو صدیق اکبرؓ کا خلیفہ ہوں۔ مجھے امیر المومنین کہا کرو کہ میں تمہارا امیر ہوں

حضرت جیؒ کی نمائندگی اور غلامی کی سعادت اس فقیر کے حصہ میں آئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک
خدا شاہد ہے زندگی میں کبھی یہ سوچا نہ تھا بلکہ حضرت جیؒ کے ہاتھوں میں مرنے کی آرزو رہی۔ مگر
اللہ کی مرضی اس طرح تھی اور اب یہ بہت بڑی امانت ہے۔ خدا اور خدا کے رسولؐ اور
مشائخ سلسلہ کی یہ بازیچہ اطفال نہیں ہے۔ میں انشاءاللہ دم واپسیں تک اس کی حفاظت

کروں گا۔ اور اللہ سے توفیق کا طالب ہوں کہ اس کی خدمت کا حق ادا کر سکوں۔

حضرت جیؒ نے میرے ساتھ میرے متعدد معاون فرمائے جو میرے دست و بازو ہیں جو اس راہ میں میرے ہمسفر ہیں۔ جن کا کام میری تکالیف بانٹنا مجھے درست مشورہ دینا مگر میرے پیچھے چلنا ہے اور اللہ نہ کرے اگر میں گر جاؤں تو جماعت کو سنبھالنا ہے۔ اللہ ایسا وقت نہ لائے کہ سلاسل کی قیادت جنہیں نصیب ہوتی ہے ان کی تربیت بھی کی جاتی ہے اور پھر خصوصی حفاظت بھی کہ اللہ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔ اس فقیر کی تربیت مدتوں اس خدمت کے لیے کی گئی۔ یہ ۶۳/۱۹۶۲ء کی بات ہے کہ ہم حضرت جیؒ کے ساتھ موہڑہ کورچشم میں مقیم تھے۔ غالباً ہفتہ عشرہ کا اجتماع تھا صبح و شام حضرتؒ خود معمول کراتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب غلام جیلانی صاحب وغیرہ اس وقت کے ساتھی موجود تھے۔ وہاں کے ایک ساتھی تھے جن کا نام غلام سرور تھا وہ حضرتؒ کے بچپن کے ساتھیوں میں سے بھی تھے۔ ایک دن حضرتؒ سے عرض کی کہ حضرت ذکر میں جس قدر انوار آپ پر وارد ہوتے ہیں۔ سارے اس شخص پہ جاتے ہیں اور پھر اس سے تقسیم ہو کر باقی ساتھیوں پر پہنچتے ہیں تو حضرتؒ نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس وقت یہ بات وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ بائیس۲۲ سال بعد یہ سیاہ کار ہی حضرتؒ اور طالبین کے درمیان واسطہ رہ جائے گا۔

خیر ان احباب کے بعد کچھ لوگ ہیں۔ جنہیں ذکر کرانے کی اجازت حضرتؒ نے دی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ جہاں حضرتؒ تشریف نہ لے جا سکیں وہاں وہ حضرتؒ کی طرف سے داخل سلسلہ کریں اور پھر خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر وہ پیش کر کے قبول کرائیں۔ نہ یہ کہ ہر ایک علیحدہ ایک پیر خانہ قائم کر لے۔ وہ بات اَب بھی ویسی ہی ہے۔ اگر کسی جگہ ضرورت ہوئی اور میرے لیے وہاں پہنچنا ممکن نہ ہُوا تو یہ خدمت ان حضرات کے ذمہ کی جائے گی۔

ان کے بعد حضرتؒ کے مجازین ہیں۔ جن کی فہرست کے لیے میں ناظمِ اعلیٰ صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ ساتھ لف کر دیں۔ ان کا اپنا مقام ہے۔ ایک منصب ہے اور کام کرنے کی ایک حد جس سے جملہ حضرات واقف بھی ہیں اور بفضل اللہ اس کی استعداد بھی رکھتے ہیں سب سے میری گذارش یہ ہے کہ اب پہلے سے زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ ذکر کے اوقات کی پابندی اور ذکر کی کثرت ضروری ہے۔ یاد رہے کہ بعض احباب نے اپنی سہولت کے لیے مغرب کے بعد والے ذکر کو عشاء کے بعد کر لیا ہے۔ ایسا نہ کیا جائے۔ ہاں کوئی مجبوری ہو تو ایک آدھ مرتبہ خیر ہے۔ مگر اسے معمول نہ بنایا جائے کہ مغرب سے عشاء کے درمیان اور سحری کے نوافل کے بعد تمام مشائخ برزخ سے بھی متوجہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان اوقات کو ضائع نہ کیا جائے۔

اس کے علاوہ حضرتؒ کی مقرر کردہ ایک مجلسِ منتظمہ ہے جو تنظیمی اعتبار سے جماعت کے معاملات کی ذمہ دار ہے جسے میں تاکیداً عرض کرتا ہوں کہ فعال کردار ادا کریں۔ اور اس نازک وقت میں میرے حقیقی معاون ثابت ہوں۔ اللہ ان سب کو خیر کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی مساعی کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین!

خازن حضرات اور ضلعی اُمرا حضرات سے ملتمس ہوں کہ اپنے اپنے کام کو مستعدی سے انجام دیں اور جماعت کی استقامت اور ترقی میں معاون ہوں کہ آگے چلنے والوں کی سُستی پیچھے آنے والوں کے لیے بعض اوقات ترکِ سفر جیسی مصیبت لے آتی ہے اور یہ یاد رہے کہ میدانِ حشر میں صرف اپنی غلطیوں کا جواب بھی ممکن نہیں۔ چہ جائیکہ کسی کی غلطی سے اگر ایک شخص بھی گمراہ ہو گیا۔ تو ایسا شخص پتہ نہیں کیا جواب دے گا۔ اور کہاں پناہ تلاش کر سکے گا۔

تمام احباب سے ملتمس ہوں کہ ذکر کی اس کے اوقات کے ساتھ پابندی کریں اور

مجازین حضرات خصوصاً اہتمام سے ذکر کیا کریں۔

دوسرے گزارش ہے کہ اپنے اہلِ خانہ کو ذکر کرانے کی اجازت ہے کہ عورتوں کا دوسرے گھروں میں جانا مناسب نہیں۔ اس لیے کوشش کریں اور بیوی بچوں کو ذکر کا عادی بنائیں ذاکر پہ مشائخ کی خصوصی توجہ رہتی ہے جو ہمیشہ دونوں عالم میں خیر و برکت کا سبب ہوتی ہے۔ مالیاتی ادارہ پہلے سے مقرر شدہ ہے اور اپریل کے اجتماع میں اس کی تشکیلِ نو کا ارادہ ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ مؤثر اور فعال بنایا جائے۔ اللہ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

اس کے ساتھ جملہ احباب کو ذکر کے بعد دعا میں سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا شجرہ مبارک پڑھنے کی خصوصی درخواست ہے اور بالالتزام پڑھنے کی خصوصی ضرورت ہے کہ ہم سب کے لیے خیر و برکت کا سبب ہوگا۔ اور میرے لیے بھی موجبِ رحمت باری تعالیٰ، شجرہ مبارک متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ اور ایک بار پھر نوٹ کرلیں تعلیم کے لیے پیش ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

- الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- الٰہی بحرمتِ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- الٰہی بحرمتِ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- الٰہی بحرمتِ حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- الٰہی بحرمتِ حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- الٰہی بحرمتِ حضرت ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

- الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت اللہ دین مدنی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ
- الٰہی بحرمتِ حضرت عبدالرحیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- الٰہی بحرمتِ قلزم فیوضات حضرت العلام اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمہ فقیر محمد اکرم ومن بخیر گرداں وصلی اللہ تعالیٰ

علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الرّاحمین ؎

شجرہ مبارک کم ازکم ایک بار روزانہ پڑھنے کی استدعا اس لیے ہے کہ میں اپنے آپ کو آپ حضرات کی دعاؤں کا بہت زیادہ محتاج پاتا ہوں۔

حضرتؒ کے مزار پہ بغرض استفادہ ایک حجرہ اور مسجد کی ضرورت ہے۔جس میں سے مسجد کی تعمیر شروع ہے۔جس پر تا حال ہماری روحانی والدہ محترمہ کی عطا فرمودہ رقم خرچ ہو رہی ہے احباب سے درخواست ہے کہ دار العرفان کے فنڈ میں عطیات روانہ فرمائیں جس کا اکاؤنٹ نمبر ۸۲۸ مسلم کمرشل بنک منارہ ضلع جہلم ہے۔

اس کے بعد ان حضرات کی خدمت میں جن کو یہ خیال ہے کہ انہیں میرے واسطے کی ضرورت نہیں اور وہ براہِ راست حضرتؒ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔گزارش ہے کہ میں ان کو مجبور نہیں کرتا نہ ان کی راہ روک سکتا ہوں۔یہ ضرور ہے کہ جن احباب کا تعلق بیعت کا میرے ساتھ ہوگا ان سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔اس سلسلے میں مجلسِ منتظمہ کے معزز اراکین اور ناظم اعلیٰ صاحب سے درخواست ہے کہ تمام احباب کو اپنی طرف سے مطلع فرما دیں اور خود بھی نوٹ کرلیں۔نیز ایسے حضرات کو چاہیئے کہ پرانے ساتھیوں کو خراب کرنے کی بجائے نئے لوگوں پر طبع آزمائی کر کے دیکھیں کہ کیا وہ مجھ سے کٹ کر کسی کو احدیّت بھی کرا سکتے ہیں؟ فنا فی الرّسول تو بہت دور کی بات ہے۔اس کے حصول کے لیے تو جان بھی دی جا سکتی ہے۔خداوند کریم حضرتؒ کے لگائے ہوئے ہر ہر

پودے کی حفاظت فرماتے ۔ میں اس بستان کا خادم ہوں ۔میرا مال ،میرا وقت ،میری جان اس خدمت کے لیے وقف ہے انشاءاللہ العزیز مگر یہ سب آبادی کے لیے ہے۔اگر کوئی ٹہنی کانٹے نکالنے لگے تو بستان خراب کرنے کی اجازت دینے سے اس کا کاٹ دینا نسبتاً آسان اور زیادہ نفع بخش بھی ہوگا۔

نیز اگر کسی کو یہ دھوکہ لگے کہ حضرات متقدمین کے بیک وقت متعدد خلفاء ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں تو اس کو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہدایت وارشاد اور ظاہری طور پر رہنمائی کرنے کے لیے ایک وقت میں متعدد آدمی مقرر ہو سکتے ہیں اور ہر آدمی کو اجازت دی جا سکتی ہے جو کم از کم مسائل ضروریہ سے آگاہی رکھتا ہو ۔لیکن راہ سلوک میں منازلِ سلوک طے کروانے کیلئے آج کوئی مثال نہیں کہ بہت سے افراد ایک ہی مقام اور مرتبہ رکھتے ہوں بلکہ ہمیشہ کوئی ایک سب سے اُوپر اور سب سے آگے رہا ہے اور باقی اس سے پیچھے بھی ترتیب سے رہے ہیں۔

میری یہ گذارشات اچھی طرح سے پڑھ لی جائیں اور جس ساتھی تک پہنچیں وہ دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام کرے۔

والسلام

دعاگوئے عالم، فقیر محمد اکرم عفی عنہ

۲۲ جمادی الآخر ۱۴۰۴ھ بمطابق ۲۶ مارچ ۱۹۸۴ء

صاحبِ مجاز حضرات کی فہرست

- حافظ عبد الرزاق صاحب چکوال ،
- مطلوب حسین صاحب لاہور ،
- حاجی حبیب الرحمٰن صاحب سیالکوٹ
- حکیم محمد صادق صاحب ، ٹوبہ ٹیک سنگھ
- مختار احمد صاحب ، پنڈی گھیب ،
- محمد ہاشم صاحب دالبندین ،
- امان شاہ صاحب کوہاٹ ،
- حافظ غلام قادری صاحب چکوال ،
- مزّمل حق صاحب ڈھاکہ ،
- ملک غلام محمد صاحب رواں بھچراں) ضلع میانوالی -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امابعد : یہ چند گذارشات بطور تربیت اور اطلاع عرض ہیں۔

اوّل

گذشتہ دنوں سرحد سے ایک عمر رسیدہ ساتھی بندہ کے پاس تشریف لائے۔ایک رات قیام فرمایا۔مغرب کے ذکر میں اندازہ ہوا کہ چند سانس لینے کے بعد سانس توڑ دیتے ہیں۔اور پھر سانس لینا شروع کر دیتے ہیں۔تھوڑا سا وقفہ غالباً تازہ دم ہونے کیلئے کرتے تھے۔بندہ نے اس امر سے روکا اور لطائف مسلسل کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے بتایا مجھے اس بات کی خبر ہی نہ تھی۔سو افادہ عام کے لیے عرض کیے دیتا ہوں کہ احباب ذرا توجہ سے نوٹ فرما لیں۔

لطائف کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جب شروع کیے جائیں تو مسلسل وہی سانس چلتا رہے اور ٹوٹنے نہ پائے کہ مبتدی کے لیے مشکل پیدا ہو جاتی ہے۔جب سانس ٹوٹتا ہے تو انوارات کا تسلسل منقطع ہو جاتا ہے۔جب دوبارہ شروع کرتا ہے تو بالکل اس حالت

میں ہوتا ہے۔ جس میں اس نے ذکر کرنا شروع کیا تھا۔ گویا اب نئے سرے سے شروع کر رہا ہے۔

ظاہر ہے اس طرح حصول مراقبات میں اگر اور کوئی دشواری نہ بھی آئے۔ تو بھی وقت یقیناً زیادہ صرف ہوگا۔ مراقبات اور مشاہدات ثمرات ہیں اور ثمرات ہمیشہ وہبی ہوتے ہیں۔ اللہ کریم اپنی مرضی سے نوازتے ہیں مگر ان کو طلب کرنا اور اس کے لیے اہتمام کرنا یہ انسانی فعل ہے اور مجاہدات سے متعلق ہے جو عموماً کسبی ہوا کرتے ہیں اور کبھی اضطراری بھی۔ اضطراری مجاہدات من جانب اللہ کرائے جاتے ہیں۔ جیسے کوئی بیماری یا کوئی اور دنیوی تکلیف اور پھر ان پر بھی ثمرات سے نوازا جاتا ہے۔

یہ طریقہ اگرچہ مشکل ہے مگر جتنا مشکل ہے اتنا ہی ضروری بھی۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے معمولات ابتداً کچھ یوں تھے کہ فجر کی نماز سے دوپہر تک لطائف کرنا، پھر کھانا اور آرام کرنا، ظہر سے عصر تک لطائف، پھر ضروریات سے فراغت، کھانا پینا اور مغرب سے عشاء تک پھر ذکر، عشا کے بعد آرام اور تہجد کے بعد پھر ذکر، یہ معمول آپ کا مسلسل سولہ برس رہا۔ بندہ ناچیز نے بھی لطائف پر تقریباً تین سال صرف کیے ہیں۔ حالانکہ مہینے کے اکثر دن حضرت جی رح کی خدمت عالیہ میں گزارا کرتے تھے اور ہم چند ساتھی جو بھی اس دور میں تھے۔ ہمیشہ مسلسل لطائف کیا کرتے تھے۔ کبھی سانس توڑنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ ہاں اگر کوئی بیمار ہو یا کھانسی وغیرہ آجائے تو یہ بھی اس قدر کم ہوتا تھا کہ یاد نہیں پڑتا۔

تو سردیوں میں میرے ساتھ ایک پرانے ساتھی بابا دوست محمد (مرحوم) مقیم تھے اور ملک خدابخش ہوا کرتے تھے۔ تو میں سحری میں تقریباً ایک بجے اٹھ جاتا

تھا۔ وضو اور نوافل سے فارغ ہو کر ۲ دو بجے لطائف شروع کر دیتا۔ اس قدر اندازہ ہو چکا تھا کہ تقریباً ایک سا وقت لطائف کو دے کر چار ۴ بجے تک سات لطائف پورے کر لیتا۔ اور چار بجے یہ دونوں حضرات شامل ہو جاتے پھر ۶ بجے تک ہم صرف لطائف کیا کرتے۔ اور ۶ بجے فجر کی نماز ہوتی تھی۔ میرے چار گھنٹے ہو جاتے اور ان کے دو۔ تو ان مسلسل چار اور دو گھنٹوں میں ہم سانس نہیں توڑا کرتے تھے۔ نیز یہ بات معمولات میں سے تھی نہ یہ کہ ایک آدھ دن کر گزرے۔

مجھے خوب یاد ہے کہ آگے جُھک کر کوئی چیز اُٹھانا پڑتی تو لطائف کے مقامات یوں درد کرتے تھے جیسے سینے میں کوئی مضبوط میخیں سی گڑھی ہوں۔ جو پُشت تک چلی گئی ہیں۔ یہ ساری بات نقل کرنے کا مدعا یہ ہے کہ لطائف مسلسل کیے جانے چاہئیں۔ یہ اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں بلکہ ایک بات ضروری عرض کر دوں کہ جو صاحب ذکر کرا رہے ہوں۔ وہ بحیثیت امیر ہوں یا صاحب مجاز، ایک تو خود لطائف کر رہے ہوں جیسا کہ اس سے پہلے شمارہ میں عرض کیا جا چکا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جب لطیفہ تبدیل کرانا ہو تو پہلے اپنا لطیفہ تبدیل کر لیں اور چند سانس اگلے لطیفے پہ ذکر کر لیں تاکہ پچھلے انوارات اگلے لطیفے سے ربط کر لیں۔ تب زبان کھولیں اور احباب کو لطیفہ تبدیل کرنے کے لیے کہا کریں۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ میں خود اس بات کا خیال رکھتا ہوں۔ اور پہلے سابقہ لطائف کے انوارات کا اگلے لطیفے سے ربط پیدا کر کے احباب سے لطیفہ تبدیل کراتا ہوں۔ یہ بات طے ہوئی کہ مکمل فوائد حاصل کرنے کے لیے مسلسل اور ایک سانس سے لطائف کیے جاتے ہیں۔

دوم :۔ مبتدی کو مراقبات کرانے کا طریقہ :۔

تمام لطائف مکمل کرا کے ساری قوت لطیفہ اول پہ لائی جائے اور پھر سانس کی تیزی روک کر طبعی سانسوں کے ساتھ ذکر کراتے وقت اس کے لطیفۂ قلب کے انوارات کو عرش تک کھینچا جائے۔ خود اسے بھی کہا جاتے کہ دل سے لفظ اللہ اٹھا کر ھُو کو عرشِ عظیم تک پہنچانے کی کوشش کرے۔ اسے اصطلاح میں رابطہ کہا جاتا ہے۔ صاحب مجاز حضرات خود بھی القا کر کے کوشش فرمادیں کہ اس کے انوار ان بلندیوں کو چھونے لگیں جب یہ رابطہ مضبوط ہو گا تو روح اس پر سفر کرنے کی سعادت حاصل کر سکے گی۔

جب رابطہ قوی ہو جائے تو مراقباتِ ثلاثہ کرائے جائیں۔ کرانے میں آسانی ہو گی اور مراقبات پختہ بھی ہوں گے۔ ورنہ ہو گا یہ کہ آپ توجہ کر کے روح کو احدیت پہ لے گئے۔ جب آپ نے چھوڑا تو وہ نیچے گر گئی۔ اس طرح آپ کو خیال ہو گا کہ مراقبات کروائے مگر واقعتاً ایسا نہیں ہو گا۔ جب روح اپنی قوت سے احدیت پہ یا مراقباتِ ثلاثہ کے مقامات پر قرار پکڑتی ہے۔ تو عموماً اسے مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے۔ اگر بالکل صاف ہو تو مقام بھی نظر آتا ہے اور کچھ نہیں یا اپنی روح دکھائی دیتی ہے۔ نہ مقام نظر آتا ہے نہ دوسرے لوگ اور کم از کم یہ ہے کہ وہاں کے انوارات نظر آتے ہیں۔ اگرچہ نہ روح نظر آتی ہو اور نہ مقام۔ یہ بات مشاہدات کی ہے۔ کچھ دوسرے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں کشف کی جگہ وجدان نصیب ہوتا ہے۔ اگرچہ کشفاً کچھ نظر نہیں آتا مگر دِل یوں بیان کر دیتا ہے۔ جیسے آنکھ دیکھ رہی ہو۔ مثلاً مراقبہ احدیت کیا نظر کچھ نہیں آیا۔ مگر دل کہتا ہے کہ میری روح واقعی اسی مقام پہ ہے۔ تو وجدان کی ایک خاص پہچان ہے کہ جو بات وجدان سے حاصل ہو کوئی عقلی دلیل اسے رد نہیں کر سکتی گویا اس بات کا حق الیقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور کوئی بات دل پہ گزر رہی

جو بعد میں بدل گئی۔ یا کسی کے ردّ کرنے سے زائل ہو گئی تو وہ وہم ہوتی ہے وجدان نہیں نیز وجدان کی صورت میں ضروری ہے کہ شیخ سے تائید حاصل کرلے ورنہ وجدان کی اُمید پہ وہم سے مار کھانے کا اندیشہ باقی نیز کشف کی مثال بھی خواب کی سی ہے کہ خواب بھی تعبیر کی محتاج اور کشف بھی تعبیر کی احتیاج رکھتا ہے۔

اگرچہ خواب نیند سے اور کشف بیداری سے متعلق ہے مگر تعبیر کے دونوں محتاج ہیں اصحابِ کشف کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ کوئی امر محض اپنے کشف پر بنیاد رکھ کر بغیر شیخ کے مشورہ کے طے نہ کریں۔ نیز یہ اصُول مدّ نظر رہے کہ کشفِ اسرارِ الٰہی اور سنّت سنیہ کی تشریح و توضیح کرتا ہے۔ مخالفت نہیں۔ اگر خلافِ سنت ہو تو کشف نہیں۔ استدراج کہلائے گا۔ جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

جس کے مراقباتِ ثلاثہ مضبوط ہو جائیں اسے سیرِ کعبہ کرائی جائے۔ جس میں طواف سیرِ صلوٰۃ اور سیرِ قرآن شامل ہیں۔ یہاں خوب محنت کی جائے اور مراقبات مضبوط کرلئے جائیں پھر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا جائے اور فنا فی الرسول کے مراقبات کرائے جائیں جو متعدد ہیں اور احباب ان سے خوب واقف ہیں۔ لکھ کر شائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی صاحب چاہیں تو بالمشافہ بات کرلیں۔

۳ سوم

اب اگلے درجے میں اقربیّت سے باالترتیب فنا فی اللہ اور بقا باللہ تک مراقبات کرا کے سیرِ کعبہ اور فنا فی الرسول کرایا جائے۔ یہاں تک جملہ صاحبِ مجاز حضرات کی ذمہ داری ہے۔ اور سب کی خدمت میں درخواست ہے کہ پُوری محنت سے احباب کو تیار کریں۔ اپنا آرام اور اپنی دنیا کے اکثر منافع کو احباب پر قربان کریں۔ تب جا کر

آخرت میں رہائی کی اُمید ہے ورنہ احباب کے ضائع ہو جانے کی جوابدہی کا خدشہ۔ اگر کسی بھی صاحب کی سُستی اور تساہل سے اللہ کا کوئی بندہ اللہ کی راہ سے بھٹک گیا تو روزِ حشر جان بچانے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہو گی۔ ہاں وہ خود ہی اپنی رحمت سے نوازے اور نجات کی سبیلیں اسی کی رحمت کے سوتے ہیں۔

فنا بقا سے آگے مراقبات کرانا مجاز حضرات کی ذمہ داری نہیں ہے۔ سوائے حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے مقرر کردہ خصوصی حضرات کے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جن اصحاب کو یہ منزل حاصل ہو۔ حضرت جیؒ نے کرائی ہو یا آپ کے کسی نائب نے۔ تو ایسے صاحب مجاز حضرات اپنے ساتھ ضرور یہ منزل کرائیں گے۔ تو پھر ترتیب یوں ہو گی۔

لطائف، مراقباتِ ثلاثہ، فنا بقا، سالک المجذوبی، سیرِ کعبہ اور فنا فی الرسول تو جس منزل کے لوگ ہوں انہیں اسی پہ رکھا جائے۔ سوائے ان خاص افراد کے جنہیں اس توجہ میں آگے چلانا مقصود ہو۔ مثلاً لطائف والے دل پر خیال کر کے بیٹھیں باقی آگے۔ پھر مراقباتِ ثلاثہ والے اقربیت پہ رُک جائیں باقی آگے۔ اور پھر پہلے اور دوسرے درجے والوں کے علاوہ سب کو لے کر سیرِ کعبہ اور فنا فی الرسول۔ اِلاّ یہ کہ کسی کو آگے چلانا مقصود ہو۔ جیسا پہلے عرض ہو چکا ہے۔ اگر ذکر میں منازلِ بالا کے ساتھی موجود ہوں یا صاحبِ مجاز خود منازل بالا رکھتا ہو تو ان جملہ منازل کے بعد فنا فی الرسول والوں کو محفل نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں پہنچا کر منازل بالا کو جائیں اور پھر فارغ ہو کر دعا کریں جس میں دونوں اوقات ذکر میں شجرہ مبارکہ ضرور پڑھا جائے کہ اجابتِ دعا میں اس کا اپنا ایک خاص مقام اور خصوصی اثر ہے۔ اللہ کریم جملہ احباب کو استقامت علی الدین کے ساتھ خصوصی نوازشات سے نوازے اور اپنے قرب کی لذتوں سے

آشنا کرے۔ مقاماتِ علیا نصیب کرے کہ یہ مظاہر رضا ہیں۔ اس لیے مقصود ہیں۔ آمین النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

خادم سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مُحَمَّدْ اَکْرَمْ اَعوانْ عُفِیَ عَنْہُ کلگت

۲۰ رمئی ۱۹۸۴ء

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ○ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

چند سوالات جو احباب نے فرمائے اور بحمد اللہ انہیں انفرادی جوابات بھی عرض کر دیئے گئے۔ افادہ عام کے لیے انہیں ضبط کرنا مناسب خیال کر کے اس مضمون کی ابتداء کی گئی ہے ممکن ہے اس طرح کسی وقت تک بہ الگ کتاب بن جائے اور احبابِ طریقت کے دل گرماتی رہے۔ وباللہ التوفیق۔

اوّل

ایک صاحبِ مجاز ساتھی نے سوال کیا کہ توجہ کس طرح دی جائے۔ نیز مجھے کشف نہیں ہوتا تو میں کس طرح دوسرے ساتھیوں کے مراقبات کی تعیین کروں؟

توجہ کا طریق کار تو معروف ہے کہ آپ دائیں طرف بیٹھیں اور جن احباب کو توجہ دینا چاہتے ہیں انہیں اپنے بائیں طرف قبلہ رو بٹھالیں۔ بہتر صورت یہ ہے کہ دوزانو بیٹھ کر یا جس طرح بیٹھ سکیں۔ کلمات تعوّذ و تسمیہ وغیرہ پڑھ کر شروع کریں اور پہلے حضرت شیخ

مکرمؒ کی طرف دل سے متوجہ ہو کر حضرتؒ سے روحانی رابطہ قائم کریں۔

پھر خود بھی ذکر شروع کریں اور احباب کو بھی لطیفۂ اول شروع کرائیں۔ یاد رہے کہ کلماتِ تعوّذ و تسمیہ مقرر نہیں ہیں۔ کوئی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ اور توجہ دینے والا ساتھی خواہ صاحبِ مجاز حضرات میں سے کوئی صاحب ہوں۔ یا امیر ہوں یا ویسے ہی ذکر کراتے ہوں سب کے لیے ضروری ہے کہ لطائف خود بھی کریں۔ یہ بات خصوصاً نوٹ فرمائی جائے میں نے دیکھا ہے کہ بڑے ساتھی لطائف نہیں کرتے اور صرف بیٹھے رہتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ حضرتِ اعلیٰؒ کو ان حضرات نے ایسا ہی دیکھا ہے۔ مگر یاد رکھ لیں کہ حضرت جیؒ کے مقامات و حالات ایسے تھے کہ اگر آپ ساتھ لطائف کرتے تو شاید کوئی بھی ساتھ بیٹھ نہ سکتا۔ دوسری گزارش ہے کہ آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم سیہ کاروں کے ساتھ تو آپ لطائف کیا کرتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ذرا چند سانس لیتے تو پھر رک جاتے مگر ان چند لمحوں میں جسم جلنے لگتے تھے اور اس سے پہلے کے حالات جو حضرت جیؒ سناتے تھے۔ تو یہ بھی فرماتے تھے کہ سولہ برس میں نے تنہا لطائف کئے ہیں۔ تہجد سے فجر تک، فجر سے دوپہر تک، پھر ظہر سے عصر تک اور پھر مغرب سے عشاء تک، اب آپ خود خیال فرما لیں۔

جب آپ ذکر کرا رہے ہوں تو لطیفہ قلب کا آسمانِ اوّل پہ ربط قائم کر کے وہاں کے انوارات کو احباب کے قلوب پر القا کریں۔ اسی طرح دوسرے تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفے میں دوسرے تیسرے چوتھے اور پانچویں آسمان سے القا کریں تفصیل دیکھنا چاہیں تو "تصوّف اور تعمیرِ سیرت" میں دیکھ لیں۔ چھٹے اور ساتویں لطیفے پہ بے شک اپنے آخری مقام تک انوار اخذ کر کے القا فرما دیں۔

پھر پوری قوت سے قلب کرا کر مراقبہ شروع کرائیں جس میں اول رابطہ ہے یعنی جسم

کا خیال چھوڑ کر دل کی طرف متوجہ ہو اور دل سے لفظ اَللّٰہ نکلے تو ھُوْ کی ٹکر عرش عظیم کے ساتھ جا کر لگے۔ جب یہ قوی ہو گا تو احدیت نصیب ہو گی۔ انشاء اللہ۔

اسی سوال کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ پتہ کیسے چلے؟ تو عرض ہے کہ جسے ذکر کرا رہے ہیں۔ اس کے مشاہدہ کو پوچھ لیں۔ اول تو اسے مقام اور اپنی روح دونوں نظر آنے چاہئیں۔ ورنہ دو میں سے یعنی مقام یا روح۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو کم از کم وہاں کے انوارات ان کا مخصوص رنگ اور کیفیات اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر کام آپ کے بس کا نہیں۔ اسے بندہ کے پاس حاضری کا کہیں۔

دوم

دوران لطائف یا مراقبات شعر نہ پڑھیں۔ ہاں ایک صورت میں اجازت ہے کہ تمام بلند مقامات اور اعلیٰ مراقبات کے حامل ساتھی بیٹھے ہوں تو خیر ہے ورنہ نئے آدمی کی توجہ میں خلل واقع ہو گا۔ حضرتِ اعلیٰؒ اگر پڑھتے تو مزید توجہ راسخ ہوتی تھی۔ ہم پڑھیں گے تو یہ بات ممکن نہیں۔ اسی طرح مراقبات نہ بالکل مختصر کرائے جائیں۔ نہ بہت ہی طویل کہ مختصر وقت میں طالب جذب نہیں کر پاتا اور لمبی دیر تک متوجہ نہیں رہ سکتا۔ خیالات بھٹکنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت ضروری امر ہے اور اس کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

سوم

صاحب کشف احباب کو ذکر میں بیٹھے ہوئے کسی ساتھی پر اگر کسی خاص گناہ کی ظلمت نظر آئے تو اسے مطعون نہ کیا جائے اور نہ ذکر سے روکا جائے بلکہ کمال یہ ہے کہ اس کا تزکیہ کیا جائے اور اسے پکی توبہ نصیب ہو پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اس نے خود

وہ گناہ کیا ہو بلکہ بدکاروں کے ساتھ ملنے یا ان میں بیٹھنے سے ان کی نحوست آدمی پہ آجاتی ہے جو کشفاً دیکھی جاسکتی ہے۔

اگر ایسی صُورت ہو تو پھر اس کے بارے میں یہ رائے کہ اس نے خود یہ جُرم کیا ہے۔ تہمت ہو گی اور یہ جُرم ہے۔

تہمۃ للمسلم وسوء الظن بہ حرامٌ (سیرت ابن ہشام)

نیز قاعدہ یہ ہے کہ گناہ سے نفرت کی جائے اور گناہگار سے ہمدردی تاکہ وہ گناہ سے آلودہ زندگی کو چھوڑ کر واپس آسکے۔ اور جب تک دوسرا آپ کو ہمدرد نہیں جانے گا اور وہ اپنی راہ سے ہٹ کر آپ کے ساتھ چلنا شروع نہیں کرے گا۔

چہارم

صبح اور شام دونوں اوقات کے معمولات کے بعد دعا میں شجرہ مُبارکہ ضرور پڑھیں اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اور مشائخ عظام کے توسّل سے دعائیں مانگیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو نیکی پہ زندہ رکھے، نیکی پہ اٹھائے اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ حشر کرے۔ آمین!

الداعی الی الخیر

فقیر مُحمد اکرم عفی عنہ

۲۳ رجب المرجب ۱۴۰۴ھ

کراچی

۴۲ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس وقت اتفاق سے بجلی نہیں ہے۔ تو چلو چند ایسی باتیں اپنے موضوع پر کرلیں۔ آج اہیت غالباً ایک ہفتہ رمضان المبارک کا کافی ہے۔ اور آپ حضرات اللہ جل شانہٗ کی مہربانی سے شب و روز ذکرِ الٰہی میں لگے ہوئے ہیں۔ ہوتا تو یہ ہے کہ مشاہدات نہ بھی ہوں۔ مراقبات نصیب ہو جائیں تو وہ انسان کی عملی زندگی کو متاثر کرتے ہیں اور اُن کے اعمال سدھر جاتے ہیں۔ اللہ پہ بھروسہ اور توکل پیدا ہو جاتا ہے۔ خدا کی رضا کی طلب آجاتی ہے۔ یہ دَور بہت بے یقینی کا اور بہت ہی کمزور اعتماد کا دَور ہے۔ ورنہ طالب کے لیے شیخ کا کہہ دینا ہی اس کے اپنے مشاہدے سے زیادہ قوی سند ہوتا ہے چونکہ جو کچھ اسے خود محسوس ہو رہا ہے اس میں کم از کم شیخ کی نسبت اس کی رائے یقیناً کمزور ہوتی ہے۔ ممکن ہے اسے غلطی لگ رہی ہو اور متقدمین میں یہ بات ملتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کو ان کے ایک شاگرد نے کابل سے لکھا تھا کہ مجھے اپنے مراقبات کی کوئی سمجھ نہیں آتی۔ میں نہیں سمجھتا کہ میرے لطائف بھی ہیں یا نہیں تو آپ نے خط میں لکھا کہ میں یہاں سے دیکھ رہا ہوں کہ تجھے فنا بقا حاصل ہے۔ تجھے نظر آتے تو کیا اور نہ آتے تو کیا لیکن ہمارا یہ

زمانہ جو ہے جس میں ہم گزر بسر کر رہے ہیں۔ یہ بہت بداعتمادی کا دور ہے۔ اس میں اگر اس بات پر بنیاد رکھی جائے تو لوگ سڑک پر بھی نہیں جا سکتے۔ سڑک کے ادرے اگر کوئی انہیں کہہ دے کہ تیرے پاس تو کچھ نہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ جو کہہ رہا ہے شاید کچھ ہی نہ ہو۔ اس لیے میں نے یہ معیار رکھا ہے اور میں نے یہ دیکھا ہے کہ ہم سے کروڑوں ازبوں گنا بہتر حضرات جو تھے ان کے مراقبات کرا دینے پر اور واقعی مراقبات ہو جاتے تھے۔ ان کو مشاہدات نہ ہوتے تھے تو پھر وہی لوگ اس بات کو اپنے احوال کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو چٹھیاں لکھتے تھے کہ شاید پتہ نہیں کچھ ہے بھی کہ نہیں تو جب وہاں یہ حال تھا تو ہم ایسی حالت پہ بھروسہ کریں گے تو یہ بہت بڑی نادانی ہو گی۔ اس لیے میں نے یہ معیار رکھا ہے کہ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ مشاہدات روشن جلی اور صاف حاصل ہو جائیں۔ جن کے لیے صرف مجاہدہ شرط ہے۔ کافر بھی اگر مجاہدہ کرے تو اسے بعض چیزیں منکشف ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ کم از کم مادیات کا مشاہدہ تو کافر بھی کر سکتا ہے کہ یہاں بیٹھا ہو کسی دوسرے دیس کی بات دیکھ رہا ہو۔ جو کچھ دنیا میں ظہور پذیر ہو رہا ہوتا ہے۔ اسے تو دیکھنے کے لیے ایمان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ایمان کی ضرورت ان حقائق کو دیکھنے کے لیے ہے جن کا تعلق عالم بالا سے اور عالم آخرت سے ہے۔ چونکہ کفر کے لیے عالم بالا کے دروازے نہیں کھلتے۔ لاتفتح لھم ابواب السماء زیرِ آسمان جو کچھ ہے یا برزخ سے اس طرف جو کچھ ہے اُسے دور بیٹھ کر، یہاں بیٹھ کر کسی دوسرے ملک کے حالات بیان کرنا یا کسی دوسرے شخص کے واقعات بیان کرنا یا اس کے خیالات کو پڑھ لینا۔ اس کے لیے بھی تو ایمان بھی شرط نہیں ہے۔ ایک طرح کا مجاہدہ ہی ہے اور اگر دولت ایمان بھی ہو تو مجاہدہ بھی ہو، شیخ نہ ہو تو بھی مشاہدات شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ قوتِ مشاہدہ جب پیدا ہو تو شیطان اچک لے۔

کیونکہ اسے خود تو سمجھ نہیں ہوتی کہاں جانا ہے کس سمت کو جانا ہے۔ کیا کرنا ہے اور دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ شیخ کی توجہ کے بغیر مشاہدات ہو سکتے ہیں۔ مراقبات نہیں ہو سکتے۔ مراقبات کے لیے انسان اگر صرف مراقبہ احدیت کے لیے نوری سالوں کی نسبت سے نہیں بلکہ اس نسبت سے جس نسبت سے روح سفر کر سکتا ہے۔ بغیر شیخ کی توجہ کے اور روح کی رفتار روشنی کی رفتار سے کروڑوں گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اربوں گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اس رفتار سے روح اگر واقعی صحیح سمت چلنا شروع کر دے تو صرف احدیت تک پہنچنے کے لیے پچاس ہزار سال درکار ہیں۔ اسی لیے بزرگان دین نے لکھا ہے کہ کوئی شیخ جو کسی کو مراقبہ احدیت کروا دے۔ اس سے بڑھ کر اس سے کرامت کی توقع کرنے والا جاہل ہے۔ تو میری یہ خواہش ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات بہت قوی بہت مضبوط مجاہدہ کریں اور خود مشاہدات کو حاصل کریں۔ قوتِ مشاہدہ وجود میں آجائے تو مراقبات اور مقامات کی سیر کرانا یہ ذمہ داری شیخ کی ہے۔

مجاہدے کی کمی کے باوجود بعض طبائع ایسے ہوتے ہیں۔ تھوڑے مجاہدے سے مشاہدات کو پا لیتے ہیں اور بعض ایسے سخت مزاج ہوتے ہیں کہ ان کے لیے بہت قوی اور مضبوط مجاہدہ چاہیئے۔ یہ فطری اور تخلیقی طور پہ خداوند کریم نے بعض لوگوں میں بعض خصوصیات رکھی ہیں ان کو بدلا نہیں جا سکتا۔

مجاہدہ اسی طرح کا ہونا چاہیئے کہ اگر مراقبہ احدیت ہو رہا ہے تو آدمی احدیت کو دیکھے۔ اپنے آپ کو وہاں دیکھے بلکہ اپنے ساتھ جو دوسرے لوگ وہاں پہ ہوں ان کو دیکھ سکے تو یہ بہت اعلیٰ صورت ہے۔ اس سے کمتر یہ ہے کہ مقامات اور کیفیات نظر آرہی ہوں۔ اگر مقام نظر نہیں آتا تو اپنی روح اپنے آپ کو وہاں کھڑا ہوا ضرور دیکھ رہا ہو۔ دو میں سے ایک شے نظر آرہی ہو اور اگر یہ بھی نہیں ہے تو اس سے کمتر یہ ہے

کہ وہاں کے انوارات تو نظر آئیں۔ مقام نظر نہیں آرہا۔ روح نظر نہیں آرہی تو کم از کم احدیت کی روشنی وہاں کے انوارات نظر آئیں اور جب احدیت سے مراقبہ تبدیل ہو تو وہ انوارات بدل جائیں۔ احدیت کی بجائے پھر معیت کے انوار نظر آنا شروع ہو جائیں۔

بعض لوگوں کو مشاہدات کی نسبت وجدان عطا ہوتا ہے۔ وجدان کشف سے مضبوط اور قوی تر شے ہے اور اعلام من اللہ کی بہت ہی اعلیٰ صورت ہے۔ کشف میں شیطانی دخل وجدان کی نسبت بہت زیادہ ہو سکتا ہے۔ کشف میں ابلیس بھی بعض چیزیں متشکل کر کے پیش کر دیتا ہے اور صاحبِ کشف یہ سمجھتا ہے کہ میں حقائق ہی دیکھ رہا ہوں۔ لیکن وجدان چونکہ اعلام من اللہ اور سیدھی بات براہِ راست ذاتِ باری سے قلب پر مترشح ہو رہی ہوتی ہے اس میں اگر شیطان دخل اندازی یا وسوسہ اندازی کی کوشش کرے تو فوراً وہاں سے نور منقطع ہو کر ظلمت آ جاتی ہے اور کشف کی نسبت اس میں بہت زیادہ حفاظت کا پہلو ہوتا ہے اس کی جانچنے کی ایک عام آدمی کے لیے یا ایک طالب اور مبتدی کے لیے ایک ہی صورت ہے مثلاً کسی کو مراقبہ احدیت ہوتا ہے۔ اس کی روح وہاں پہنچتی ہے لیکن مشاہدہ نہیں ہوتا اس کا دل اس بات پہ اعتماد کر لیتا ہے کہ میری روح احدیت پہ موجود ہے اگر یہ اعتماد اعلام من اللہ ہو اور یہ وجدان ہو تو کوئی خارجی دلیل اس یقین کو متزلزل نہیں کر سکتی۔

عام حالات میں ایک مبتدی کے لیے ایک طالب کے لیے وجدان کو جانچنے کی صورت یہ ہے کہ جو اعتماد اس کے دل میں کسی مقام کی نسبت پیدا ہوتا ہے۔ اُسے پھر کوئی ظاہری کوئی خارجی دلیل، کوئی عقلی دلیل کسی کی رائے متزلزل نہیں کر سکتی اور اگر اس کے اعتماد میں تزلزل آجائے تو پھر وہ اس کی ذاتی رائے ہے۔ اعلام من اللہ نہیں ہے وجدان نہیں ہے پھر وہ اس کے ذہن کے خیالات ہیں جو اس کے دل پہ منعکس ہو رہے ہیں۔ ان ساری

صورتوں کو خارجی دلائل متزلزل کر دیتے ہیں اور آدمی کو اگر کوئی یہ کہہ دے کہ تو یہ سمجھتا ہے یہ مقامات ہیں لیکن تجھے ہیں تو نہیں تو وہ فوراً متردد ہو جاتا ہے۔ کوئی اور نہ کہے تو ہر وقت یہ بات دہرانے کے لئیے ابلیس تو موجود ہے اور سب سے پہلی زمین شک ہی کی ہے جہاں شیطان قدم جماتا ہے۔ شک کا جو اُدنیٰ ترین درجہ ہے اسے ریب کہا جاتا ہے کتاب اللہ کا پہلا ہی جملہ ہے۔ لاریب فیہ ذرا برابر شک اور تردد لے کر اس دروازہ سے داخل مت ہو۔ یہاں یقین اور اعتماد چاہیئے۔ چونکہ شک ہی ایک ایسی شے ہے جو شیطان کو قدم جمانے کے لیے جگہ مہیا کرتا ہے۔ یہ آخری صورت جو میں نے عرض کی ہے۔ یہ بہت نایاب تو نہ سہی کم یاب ضرور ہے۔ لاکھوں میں کوئی ایک فرد ایسا ہوتا ہے جسے وجدان کی دولت سے نوازا جائے اور پھر وہ فرد ایک مضبوط چٹان کی مانند ہوتا ہے جہاں جم جائے اسے دنیا کی کوئی طاقت ہلا نہیں سکتی۔

پہلی صورتیں جو ہیں ان میں سے کسی نہ کسی صورت کو پانے کی کوشش کریں اور اس کے لیے کثرتِ توجہ چاہیئے۔ ہر وقت احدیت معیت اقربیت کی طرف متوجہ رہیں۔ ذکر کے دوران جو خیالات آتے ہیں ان کو ہٹانے کی جھٹکنے کی کوشش کریں۔ یہ کوشش کریں کہ ہر سانس پر نگرانی رہے کہ "اللہ ھُو" جاری رہے یہ نہ ہو کہ سانس صرف ایک عادت کے مطابق تیزی سے چل رہی ہو اور خیالات کہیں اور بھٹک رہے ہوں۔ اگرچہ یہ خود بخود نہیں ہوتا۔ اس کے لیے بھی محنت اور کوشش درکار ہوتی ہے۔

اپنے خیالات کو ایک نقطے پر مرتکز کرنے کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔ ایک دشوار کام ہے۔ جو مسلسل کرنا پڑتا ہے مسلسل کرنے سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور جتنی یکسوئی حاصل ہو گی اتنے ہی مشاہدات واضح ہوتے چلے جائیں گے۔ تو چونکہ آج سمیت صرف ایک ہفتہ ہے۔ کوشش

یہ کریں کہ دن رات کے جملہ اوقات میں اپنی توجہ کو صرف اور صرف مراقبات پہ مرکوز رکھیں۔ یہاں بیٹھے ہوئے جب تک اعتکاف ختم نہیں ہوتا آپ باہر کی دنیا کا کچھ کر نہیں سکتے۔ نہ کہیں آسکتے ہیں نہ جا سکتے ہیں۔ تو پھر اس کے متعلق سوچنا بھی چھوڑ دیں جب کہیں آنا جانا ہی نہیں ہے جب کچھ کرنا کرانا ہی نہیں ہے تو اس کے لیے اپنی توجہ کو انتشار سے بچائیں۔ اس کے لیے خیالات کو پریشان نہ کریں۔ چھوڑ دیں اور یہ سمجھیں کہ میں ہوں اور صرف اللہ کی ذات اور کسی سے کوئی تعلق نہیں جب اعتکاف بحمد اللہ پورا ہوگا۔ باہر جائیں گے۔ تو جو کچھ باہر ہوگا وہ بھی دیکھا جائے گا۔ جب تک کہیں آنے جانے کی اجازت ہی نہیں ہے۔ کسی سے ملنا ملانا ہی نہیں ہے تو پھر اس باہر کی دنیا کے بارے میں محض سوچ کر اپنے اوقات خراب نہ کریں اور اللہ کرے کہ ان چند دنوں کی محنت میں جو یکسوئی اور توجہ حاصل ہو۔ اسے دوام نصیب ہو اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ شے ایک دفعہ حاصل ہو جائے تو پھر وہ طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ اور اس میں اتنا لطف اور اتنی لذّت ہے کہ انسان خود بخود اس کی طرف متوجہ رہتا ہے مزاج اس لذّت کا عادی ہو جاتا ہے اور وہ جو کہتے ہیں "خلوت در انجمن" کہ دنیا میں لوگوں میں پھرتا پھراتا ملتا ملاتا بھی تن تنہا ہوتا ہے۔ بازار میں گھر میں، مجلس میں بیٹھا ہوا بھی اپنی لگن میں، اپنی دھن میں مگن ہوتا ہے ۔ اسی کو اصطلاحِ تصوّف میں "خلوت در انجمن" کہتے ہیں کہ مخلوق کے درمیان بیٹھا ہوا بھی ایسے ہو جیسے تخلیئے میں بیٹھا ہوا ہے تو اللہ کرے یہ دولت عام ہو۔ آپ حضرات سے کے لیے میری گذارش یہ ہے کہ اسے پانے کے لیے پوری محنت کریں مسجد میں بیٹھ کر ذکر کرنا ہے۔ کسی بھی لمحے کو ذکرِ الٰہی سے خالی نہ جانے دیں اور جب بھی سوچیں خارجی سوچ کو ذہن سے نکال دیں اور کوشش کریں کہ پوری توجہ اسی ایک کام کی طرف ہو جائے۔

اللہ کرے ان چند دنوں میں آپ کا کام بن جائے۔ جہاں تک ثواب کا تعلق ہے وہ تو بحمد اللہ ہے ہی۔ اللہ کریم قبول فرمائے تو اعتکاف کا ایک ایک لمحہ صدیوں پہ بھاری ہوتا ہے۔ علمائے حق نے لیلۃ القدر کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں عشاء کی تراویح یا عشا کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر فجر کی نماز باجماعت پڑھنے والا بھی لیلۃ القدر کو پانے والا ہوتا ہے چونکہ اسے بھی عنداللہ شب بیدار تصور کیا جاتا ہے۔

جو شخص عشاء کی نماز باجماعت ادا کرے اور فجر کی نماز پھر جماعت سے پالے۔ اللہ کے نزدیک اس ساری رات کا سونا بھی اللہ کی بارگاہ میں حضوری میں شمار ہوتا ہے۔ تو اگر ایک ایسا آدمی جو گھر میں رہتا ہے۔ گھر میں سوتا ہے۔ گھر میں بیٹھتا ہے ان اوقات پر جو فرض نمازوں کے ہیں۔ بارگاہ الوہیت میں حاضر ہو جائے تو اسے زاہد شب بیدار تصور کیا جاتا ہے تو جو واقعی اعتکاف کی صورت میں ساری کائنات سے کٹ کر اللہ کی بارگاہ میں شب و روز موجود ہوں۔ ان کے لیے تو ان ثوابوں کے ضیاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ معتکفین جو ہوتے ہیں۔ یہ تو سارے کے سارے لیلۃ القدر کو پانے والے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اعتکاف کے اوقات کے بے شمار مدارج، بے شمار ثواب، بے شمار انعامات ہیں۔ وہ تو ہیں ہی۔ ان پر مزید یہ ہے کہ سارے ثواب یہ سارے درجے تو آپ اپنے گاؤں میں اپنے شہر میں اپنے محلے کی مسجد میں اعتکاف بیٹھ کر حاصل کر سکتے تھے۔

یہ سفر اور یہ خلافِ مزاج کھانا پینا، بے آرام ہونا، یہاں جو کچھ ملتا ہے۔ ایسے ہی ہے کہ آدمی زندگی ہی باقی رکھ سکے تکلفات کو دخل نہیں ہوتا۔ گھر میں رہتے ہوئے انسان اپنی پسند سے سو طرح کے تکلفات کر لیتا ہے تو ان ساری چیزوں لذت کام و دہن کو اوقات کو سہولیات کو آرام کو قربان کر کے دور دراز کا سفر کر کے حاصل کرنے کی چیز یہی ہے کہ اللہ

کرے طبیعت میں یکسوئی آجائے۔ یکسانیت آجائے اور دل کا رخ ایک ہی سمت کو راسخ ہو جائے اس کی سُوئی ایک ہی جگہ پہ آ کر جم جائے پھر کبھی قیامت کا زلزلہ بھی اسے اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکے۔

کوشش کریں اللہ کریم سب کو واضح شفاف مشاہدات عطا فرمائے اور کوشش کریں کہ آپ خود اس قابل ہوں۔ آپ خود یہ کہہ سکیں کہ فلاں مقام تک میری رسائی ہے اور میں دیکھ رہا ہوں بجائے اس کے کہ روایات کے سہارے پہ دوسروں کے بتانے پر یا کسی کے کہنے پر سمجھ بیٹھیں۔

کچھ تھوڑی تھوڑی غلطیاں بھی ہوئی ہیں اور یہ ہوتا رہتا ہے۔ ہمیشہ بعض ساتھیوں نے غلطی اور نادانی سے سنی سنائی باتوں پر دوسروں سے بھی کہہ دیا ہے کہ تجھے فلاں مقام بھی حاصل ہے۔ تمہارے مراقبات فلاں جگہ پہ ہیں اور حد یہ ہے کہ حضرت جیؒ نے فنا بقا سے آگے تو پابندی لگا رکھی تھی۔ فنا بقا تک مراقبات کرانے کی اجازت بھی کچھ افراد کو تھی۔ غالباً صاحبِ مجاز حضرات کو اور ہوا یہ کہ جو صاحب مجاز بھی نہ تھے اور خود ان مراقبات کے حامل نہ تھے۔ انہوں نے دوسروں کو پتہ نہیں کیوں کسی کو حقیقتِ کعبہ تک پہنچا دیا اور کسی کو حجاباتِ الوہیت تک حالانکہ شاید وہ خود بھی نہیں سمجھتے کہ ان کی ترتیب کیا ہے۔ یہ کس طرح سے چلتے ہیں۔ ان کے آگے کیا ہے پیچھے کیا ہے۔ فاصلے کتنے ہیں۔ کہاں ہیں۔ ان کی اہمیت اور عظمت کیا ہے۔

اب یہ ایسی صورت حال بن گئی کہ ایک شخص دو سال چار سال یا پانچ سال اس بات کو لیے پھر رہا ہے کہ مجھے اس قدر مراقبات حاصل ہیں۔ لیکن جب وہ سامنے آتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے لطائف بھی درست حالت میں نہیں ہیں اگر اسے کہہ دو تو یہ بات اس

کے لیے بڑی مصیبت بن جاتی ہے اور نہ کہو تو وہ خود مصیبت میں مبتلا ہے۔ پھر اسے کیا کہا جائے۔ یاد رکھیں تصوّف ایک حقیقت کا نام ہے۔ اگر اس میدان میں بھی محض خوش فہمیوں اور محض اندیشوں پہ عمارت استوار کی جائے تو پھر کہاں حقائق ملیں گے ؟ دنیا میں؟

آپ ان تمام باتوں سے بالاتر ہو جایئے۔ اس بات پہ اعتماد کریں جس کی اللہ کریم خود کو سمجھ عطا فرما دیں۔ کشف سے فرما دیں۔ اس کی مرضی وجدان سے عطا فرما دیں اس کی مرضی۔ یا کم از کم شیخ تصدیق تو کر دے۔ اگر ان تینوں میں سے کوئی چیز حاصل نہیں ہے۔ تو بات وہی ہے۔

خواجہ پندار د کہ دارد حاصلے

حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

ایک وہم ہے کہ میرے پاس فلاں دولت ہے فلاں دولت بھی ہے حقیقتاً سوائے وہم کے میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ توہمات سے بالاتر ہو کر حقائق کی سرزمین پہ قدم رکھیں۔ اور جو بھی حقیقت ہے اسے قبول کریں۔ اگر کوئی غلطی ہے۔ غلطی سرزد ہو رہی ہے۔ تو غلطی کو غلطی قبول کریں تاکہ اس سے نجات ملے۔ اس پہ اصرار ضروری نہیں ہے کہ میں جو غلطی کر رہا ہوں۔ یہ غلطی نہیں نیکی ہے۔ اگر یہ بات رہی تو پھر وہ غلطی دائماً چپک جائے گی اور وہاں تک دیکھیں جہاں تک نگاہ پہنچ رہی ہے۔ خود کوئی سمجھ نہیں آ رہی اور یہی وجہ ہے کہ ذہن میں جو بات ہے کہ میرے مراقبات تو حجاباتِ الوہیت سے بھی آگے چلے گئے۔ اور معاملات میں راستی نہیں آتی۔ بات کرنے میں راست گفتاری نہیں آتی اوقاتِ ذکر میں کوتاہی ہوتی ہے نماز با جماعت تک نصیب نہیں ہوتی۔ نوافل تو دور چلے گئے اور وہم یہ ہے کہ مراقبات اتنے آگے چلے گئے۔

ہر مراقبہ اپنے اندر ایک جذب رکھتا ہے۔ اور عالم بالا کی طرف اٹھنے والا ہر قدم عملی زندگی میں نیکی کے قریب تر کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ کبھی ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص کے منازل بالا ہوں اور عملی زندگی میں وہ شخص کسی سے پیچھے رہ جائے۔ کم از کم ہر ایک شخص کے لیے یہ امتحان تو موجود ہے۔ ہر آدمی اپنی حیثیت کو اس طرح تو جانچ سکتا ہے کہ عملاً میں کس حد تک نیکی کی طرف بڑھ سکا ہوں۔ اسی حد تک شاید میرے مراقبات بھی ہوں یا اگر ہیں تو ان میں قوت کتنی ہے۔

اہل اللہ کے حالات اگر سنیں تو متقدمین میں ایسے لوگ ملتے ہیں بحیثیت مراقبات کے یا مقامات کے جن کے منازل بظاہر بہت کم نظر آتے ہیں لیکن وہ اتنے قوی ہیں اتنے روشن ہیں اتنے مضبوط ہیں کہ فنا بقا پر بیٹھا ہوا شخص یوں نظر آتا ہے۔ جیسے افق پہ سورج طلوع ہو رہا ہے اور ایک ایک شخص نے جب فنا بقا تک رسائی حاصل ہو گئی۔ ایک دنیا کی حالت بدل دی۔ لاکھوں لوگ اس کے دامن سے وابستہ ہو کر اصلاح پا گئے اور کوئی شخص اس سے بھی آگے منازل کا مدعی ہو۔ اس کی اپنی اصلاح بھی نہ ہو سکے تو پھر اس کے پاس کیا مقامات ہیں۔ صاحب مقام کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے والوں کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے

ھُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہتا اگر اپنی ذات کی اصلاح نہ ہو سکے تو پھر اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ فلاں مراقبہ بھی حاصل ہے فلاں مراقبہ بھی حاصل ہے۔

میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ حضرات کو مراقبات کم حاصل ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کو بجائے کسی خوش فہمی کے حقائق کی دنیا میں حقائق کی سرزمین پہ رکھا جائے

اور جو بات ہو وہ ٹھوس یقینی اور اتنی پکی ہو کہ اگر موت آئے تو وہ مراقبات واقعی پاس ہوں۔ اور برزخ یا آخرت میں داخل ہو تو ان مقامات کا حامل ہو اور وہ حقائق اسے حاصل ہوں اور اگر حاصل نہیں ہو سکے تو کم از کم ان کی طلب تو اپنے دل میں لیے پھرتا ہو۔ اس کے لیے تڑپ تو ہو اس کے پاس اللہ سے دعا تو کر رہا ہو۔ کیا خبر کہ وہ وہاں ہی اسے عطا کر دے۔

ہمارے ہاں ایک ہیڈ ماسٹر ہوا کرتے تھے۔ تھے تو دلوانے سے ہم ان سے مذاق کرتے رہتے تھے۔ وہ اپنے پاگل پن میں کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے۔ ایک نظم نما غزل کہی تھی انہوں نے۔ مجھے یاد تو نہیں رہی ایک شعر جو انہوں نے کہا تھا میں نہیں سمجھتا کہ شاید میزان شعری پہ پورا ہو یا نہ ہو لیکن اس قدر یہ معنی تھا کہ بیس پچیس برس یا اس بھی زیادہ بیت گئے لیکن وہ مجھے یاد ہے غالباً تیس سال پہلے کی بات ہے۔

ہٹ جاؤ طبیبو نہ کرو میری دوا تم
شاید وہ قبر میں ہی گلے آن لگائے

تو کم از کم اگر ہمیں وہ دولت حاصل نہ ہو تو یہ خبر تو ہو کہ میرے پاس فلاں چیز نہیں ہے میں اس کا طالب ہوں۔ وہ اس تڑپ کو تو اپنے ساتھ لے جائے۔ اللہ کریم حاضر و غائب تمام احباب کو ان انعامات سے نوازے۔ سب کی حفاظت فرمائے اور استقامت علی الدین نصیب فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
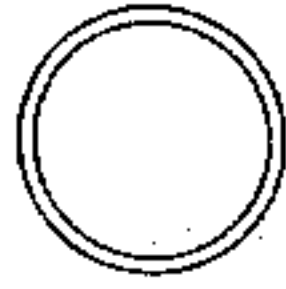
(۲۵ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ کو حضرت جیؒ کے وصال کے بعد پہلی بار دو ساتھیوں کو روحانی بیعت سے مشرف کرنے کے پر سعادت موقع پہ خادم سلسلہ اویسیہ نے بطور نصیحت یہ چند کلمات ارشاد فرمائے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہ ....

.... اَجْرًا عَظِیْمًا

اللہ جل شانہٗ نے جس قدر نعمتیں انسانیت پر اور انسان پہ عام فرمائی ہیں۔ ان میں سے سب سے اعلیٰ سب سے ارفع اور بہت بڑی نعمت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ بیعت کا حاصل کرنا یہ وہ سعادت ہے جسے آپ بابِ معرفت کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ سعادت ہے جو روزِ اول سب سے پہلے جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوئی اور جس روز خداوند کریم نے تمام ارواح سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا۔ اس روز تمام انبیاء کو حضورؐ کی نبوت کے عہد پہ کاربند فرمایا اور یہی ان کی وہ

بیعت تھی جس کے طفیل انہوں نے معرفتِ باری کے عظیم خزینے پائے اور اپنی اپنی بعثت کے وقت دنیا میں بے دریغ لٹائے تمام امتوں کیلئے حضور اکرم ﷺ سے تعلق قائم کرنا بالکل اسی طرح ضروری تھا جس طرح زندگی کے لیے روح کا ہونا ضروری ہے۔ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے تعلق روح کی حیات ہے اور تمام دنیا میں اوّل و آخر سب انسانوں سے انبیاء علیہم السلام کی ذاتِ مقدسہ کے بعد نوعِ انسانی میں افضل ترین انسان وہ تھے جنہیں حضور ﷺ سے شرفِ بیعت حاصل ہوا۔ اور جو براہ راست حضور ﷺ سے متعلق ہوئے۔ یہ وہ نعمت ہے جو ازل میں بٹی۔ بٹتی رہی، آپ کی بعثت پہ تقسیم ہوئی اور آپؐ کا دنیا سے پردہ فرماجانا اس کو کسی طور منقطع نہیں کرتا البتہ بہت بڑا فرق یہ پیدا ہو گیا کہ جنہیں اس عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہوا وہ اتحادِ عالم کی وجہ سے صحابیت پہ فائز ہوئے۔ اتحادِ عالم نہ رہا تو جس روح کو بارگاہِ رسالت میں باریابی حاصل ہوئی وہ ولایتِ خاصہ پہ فائز ہوئی اور اہل اللہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر روحانی بیعت کا کرنا ایک بہت اعلیٰ ایک بہت اونچا ایک بہت ارفع مقام کا حامل ہے۔ یہ وہ ہستی ہے خواب میں بھی جس کی زیارت ہو جائے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس شخص کا خاتمہ ایمان پہ ہوگا۔ چہ جائیکہ کسی کو یہ سعادت حاصل ہو کہ وہ بیداری میں کشفاً حضورؐ کی زیارت کرے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اسے روحانی بیعت کی سعادت بھی نصیب ہو۔ اگر کسی کو زیارت نصیب بھی ہو تو حصولِ فیض کے لیے پھر کسی ایسی ہستی کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ جو اس نعمت کی امین ہو جو سینہ بسینہ بارگاہِ رسالت سے لے کر آج تک بٹتی آرہی ہے اور آج سے انشاء اللہ قیامت تک تقسیم ہوتی چلی جائے گی۔

چونکہ یہ انسانیت کی ضرورت ہے اس لیے جب تک انسانیت باقی ہے تب تک یہ انشاء اللہ

العزیز بہرحال باقی رہے گی جہاں یہ بہت بڑی نعمت ہے اور اس کا پالینا بڑی سعادت ہے وہاں یہ ذمہ داریوں کا ایک عظیم پہاڑ بھی ہے۔ جہاں تک اس کی سعادت کا تعلق ہے اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہ انہوں نے اللہ جل شانہٗ کی عظمت کی ردا کو تھاما۔ انہوں نے اللہ کے ساتھ عہد کیا اللہ کے ساتھ بیعت کی بیعت ایک عہد ہوتا ہے۔ لیکن اسے اس عہد کی اہمیت کی وجہ سے بیعت کا نام دیا گیا ہے۔ بیعت کا معنیٰ ہوتا ہے۔ بیچ دینا فروخت کر دینا۔ گویا بیعت کرنے والا شخص اپنے آپ کو اپنی پسند و ناپسند کے معیار کو اپنی خواہشات کو اپنی آرزوں کو اپنی تمناؤں کو اپنی جان کو اپنے مال کو اپنی اولاد کو غرضیکہ جو کچھ اللہ کی طرف سے اسے عطا ہوا ہے۔ اس سب کو اس ہستی کے قدموں پہ نچھاور کر رہا ہے۔ جس کے ساتھ وہ بیعت کر رہا ہے اور یہ معمولی وعدہ نہیں ہے۔ یہ ایک دن کے لیے نہیں ہے۔ چند سالوں کے لیے نہیں ہے۔ محدود وقت کے لیے نہیں ہے۔ یہ ایک مستقل عہد ہے اور اتنا مضبوط عہد کہ اسے اپنے آپ کو بیچ دینے کا نام دیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی اس عہد کے بعد اس کی اہمیت کی پرواہ نہیں کرتا۔ اسے توڑتا ہے۔ اپنی زندگی حضورؐ کی پسند سے نہیں اپنی پسند سے گزارنا چاہتا ہے تو گویا وہ عہد کو توڑنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَمَنْ نَّکَثَ اس عہد کو جس نے توڑا فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ اس نے اپنے آپ کو توڑ دیا۔ اپنے آپ کو تباہ کر دیا۔ اس نے اپنا کچھ باقی نہیں رکھا۔

یہاں سے گرنے والے کی کوئی ہڈی پسلی باقی نہیں رہتی۔ بحیثیتِ انسان خطا کا ہو جانا یہ دوسری بات ہے۔ لیکن دل میں اس تڑپ کا زندہ رہنا کہ میں کبھی بھی کسی لمحہ بھی

حضور ﷺ کی نافرمانی نہ کروں، یہ ایمان کی بات ہے اور آپ ایک چھوٹے سے واقعہ سے اس کی عظمت واہمیت کا اندازہ کرلیں۔

سیدنا عثمانِ غنی معدن علم وحیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ مَیں نے جس روز سے حضور ﷺ سے بیعت کی ہے۔ اس کے بعد کبھی کسی ضرورت کے لیے بھی اپنا دایاں ہاتھ شرمگاہ کو مس نہیں ہونے دیا کہ اس ہاتھ نے حضور ﷺ کے دستِ شفقت کو تھاما تھا۔

یہ ایک عظیم امانت حضور ﷺ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ سے منتقل ہوتی ہوئی سلسلہ اویسیہ کی نسبت سے حضرت شیخ المکرم رحؒ کی ذاتِ اقدس تک پہنچی اور آپ نے اسے مخلوق تک پہنچانے کا حق ادا کردیا۔

اس گئے گزرے دور میں اس طوفانِ بدتمیزی میں اعمال تو بجائے خود رہ گئے عقائد اس دور کی آندھیوں کی نذر ہورہے ہیں۔ جب خود کوئی اپنے ساتھ وفادار نہیں ایسا وقت آگیا ہے کہ لوگ خود اپنی ذات کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔ ایسے گئے گزرے دور میں افراد کو برائیوں سے بدعقیدگیوں کی دلدل سے کھینچ کر ساحلِ امید پہ کھڑا کرنا اور پھر انہیں ساتھ لیکر چودہ صدیوں کا فاصلہ طے کر کے محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچانا یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ اس پہ کوئی تھوڑی سی محنت نہیں لگی۔ بے شک آپ حضرات بھی اپنا وقت قربان کر کے آتے ہیں۔ لیکن اس شخص کو بھی دیکھو جو ہم سے آپ سے لیتا نہیں دیتا تھا۔ لیکن اس دینے پہ اس نے اپنی پوری زندگی لگادی۔ پوری عمر اس میں صرف کردی اس نے اتنی عظیم جماعت سے لیا کچھ نہیں دیتا ہی چلا گیا۔

آپ نے آخری دو تین سالوں میں بہت کمی کردی تھی۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں

جنہیں آپ نے یہ نعمت تقسیم کی ہو۔ یا بالکل ہی نہیں دی تھی۔ کیونکہ جس شخص نے ایک ایک فرد کو تلاش کر کے روئے زمین پہ طالبوں کی ایک جماعت ترتیب دی اور جب وہ من حیث الجماعت اس چیز کی طلب میں آگے بڑھے تو پھر کیوں ہاتھ روک لیے۔ یہ بات اکثر حلقہ احباب میں دہرائی جاتی رہی لیکن کبھی اس کے اسباب زیر بحث نہیں آتے کہ ایسا کیوں ہُوا۔

اصل بات یہ ہے کہ اس دَور کے لوگوں میں استعداد نہیں ہے۔ ایک عجیب چیز ایک خرقِ عادت شے سمجھ کر لپکتے ہیں۔ پڑھتے ہیں کچھ وقت محنت و مجاہدہ کرتے ہیں اور یاد رکھیں یہ نعمتیں نری محنت سے اگر ملتیں تو شیخ کی ضرورت ہی نہ رہتی محنت سے صرف آدمی اپنے وجود میں استعداد پیدا کرتا ہے۔ نعمت پھر وہاں سے مانگ کر ہی لینی پڑتی ہے۔ نرا برتن کبھی دولت سے بھر نہیں جاتا۔ سارا مجاہدہ صرف اپنے برتن کو صاف کرنا ہے۔ اس میں کیا ڈالا جائے گا۔ وہ ڈالنے والا کوئی اور ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی مرضی کہ کس کو کتنا دیتا ہے۔ لیکن دینے کا سبب ہمیشہ شیخ کی ذات ہی ہوا کرتی ہے تو لوگ ایک عجیب بات سمجھ کر بڑھے لپکے لیکن جب جماعت بڑھ گئی تو ایسے لوگ بھی آگئے جو اس حد تک تو ساتھ چلتے رہے جب اس منزل پہ پہنچے تو ان کا شوق سرد پڑ گیا۔ اور بیعت سے مشرف ہونے کے بعد انہوں نے خلافِ سنت اور خلافِ شریعت روش کو اپنایا جس نے اتنے پہاڑ جیسے عظیم انسان کو بھی ہلا کر رکھ دیا کہ بیعت کرانے والے کی بھی بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے جو شخص کسی کو لے کر پیش کرتا ہے۔ ایک طرح سے اس ساری بات کا محرک وہ شخص ہے جس طرح حضورِ اکرم ﷺ سے انعام دلواتا ہے۔ اسی طرح اس شخص کی بھی اس بارگاہ میں ضمانت دے رہا ہے کہ اسے عطا کر دیا جائے تو جب وہ شخص ترکِ اطاعت کرتا ہے تو اپنا نقصان تو

کرتا ہی ہے۔ ساتھ اس کو بھی شرمندہ کرتا ہے۔ جو اس کو بارگاہِ نبوت میں انعام کا مستحق سمجھ کر پیش کرنے والا ہوتا ہے۔ اور کسی بھی ایسے شخص کے لیے جو حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے کا شرف رکھتا ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی مشکل کام نہیں کہ اسے وہاں شرمندہ کیا جائے۔

یہ خدا کی مرضی ہے کہ وہ اپنی پسند سے بعض لوگوں سے بعض خدمتیں لینا پسند فرماتا ہے۔ آپ حضرات میں اچھے اچھے لوگ ہیں۔ نیک ہیں۔ صالح ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جو علم میں مجھ سے زیادہ ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جو بے شمار اوصاف اور بے شمار کمالات ہیں عمر میں تجربے میں علم میں ورع اور تقویٰ میں مجھ سے زیادہ ہیں۔

یہ خدا کی مرضی اللہ جل شانہٗ نے اس ذمہ داری کے لیے مجھ جیسے ناکارہ انسان کو مقرر فرما دیا اور یہ بات بھی بڑے غور سے سن لیں کہ اس وقت روئے زمین پہ دوسرا کوئی ایسا انسان موجود نہیں ہے جو یہ نعمت تقسیم کر سکے۔ تمام سلاسل کے لوگ فرادا فرادا ضرور موجود ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت کم ایسے ہیں جنہیں خود بھی وہاں تک رسائی نصیب ہو۔ فنا فی الرسول کے نیچے کے مراقبات میں اکثر لوگ ایسے ہیں اور فنا فی الرسول کو تقسیم کرنا اس ہمت کا اس مقام کا حامل شخص نہیں ملتا۔ اور یہ بات آپ اس طرح بھی دیکھ سکیں گے۔ روئے زمین پہ پھر کر دیکھ لیں کہیں یہ بات نظر نہیں آتی۔ اگر کوئی دعویٰ کرتا بھی ہے تو نرا دعویٰ ہی کرتا ہے۔ کسی ایک شخص کو پیش نہیں کر سکتا کہ وہ شخص کہے واقعی مجھے خود بھی زیارت نصیب ہوئی ہے اور میں نے خود محسوس کیا۔ میں نے خود دیکھا کہ میں بیعت سے نوازا جا رہا ہوں۔ اصل بات یہ ہے اگر کوئی شخص محض دنیا کمانے کے لیے محض اپنا اقتدار جمانے کے لیے یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ میں نے تجھے بارگاہِ نبوت میں پہنچا دیا۔ کہ میں نے دیکھا ہے لوگوں نے لوگوں کو خلافتیں

سونپ رکھی ہیں اور کیا کیا دے رکھا ہے۔ لیکن حد یہ ہے کہ نہ ان کے اپنے کوئی لطائف ہیں نہ کسی کو کرائے ہیں۔ قلب تک جاری نہیں ہے نہ کسی کا قلب کرا سکتے ہیں اور زبانی باتیں بنائے جا رہے ہیں۔ زبانی کہہ دینا اور بات ہے مزا جب ہے کہ جسے وہ نعمت دی جائے وہ شخص یہ کہنے والا ہو کہ مجھے حضورؐ کی زیارت ہوتی ہے۔ مجھے بارگاہِ نبوّت سے یہ انعام ملا ہے اور یہ نعمتِ عظمیٰ آج اور اس دَور میں صرف اور صرف اویسیہ نسبت والوں کے پاس ہے۔ اس طرح سے یہ بہت بڑا مقام ہے۔ یہ بہت بڑا مقام ہے۔ بہت بڑا مقام ہے اور جتنا یہ مقام عظیم ہے۔ اتنی ہی اس کی ذمہ داریاں نازک بھی ہیں عظیم تر بھی ہیں۔

یہ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں اس میں چھپانے کی کوئی بات نہیں ہے کوئی لگی لپٹی نہیں ہے بلکہ یہ سارا "المرشد" میں شائع ہو گا۔ ارشاد السالکین کے تحت اور ہر ایک کو پہنچایا جائے گا۔ یہ تو بڑی آسان سی بات ہے کہ کسی کو یقین نہیں آتا تو وہ نظیر پیش کرے۔ کسی شخص کو لائے سامنے جو یہ نعمت بانٹ رہا ہو۔ ہم اسے طالب دیتے ہیں۔ ہم اپنے احباب میں سے دیتے ہیں کہ ان کی تربیت تم کر کے دکھا دو۔ یا وہ کسی کو ہمارے پاس چھوڑ دیں اور اسے بنتا ہوا دیکھیں کہ اتنی تمہید مَیں نے اس لیے عرض کی ہے کہ میں یہ خوب جانتا ہوں کہ میں اس منصب کا اہل نہیں تھا۔ پتہ نہیں کیوں اللہ کریم نے اس عظیم ذمہ داری کو مجھ جیسے نالائق کے سر ڈال دیا۔ میری اپنی کوتاہیاں لغزشیں کمزوریاں بڑی ہیں۔ خدا کے لیے جن لوگوں کو میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ وہ مجھے مزید شرمندہ نہ کریں۔

مَیں دنیا داروں کی پرواہ نہیں کیا کرتا۔ میرا مزاج ہی ایسا ہے۔ دنیا والوں کے سامنے بہت مضبوط انسان ہوں۔ میں نے کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی۔ کوئی حاکم ہو یا بڑا ہو امیر ہو یا رئیس ہو۔ مجھے کسی کی ذرہ بھر پرواہ نہیں ہوتی لیکن اہل اللہ کی مجلس میں میں

اپنے آپ کو بہت کمزور پاتا ہوں۔

وہاں بڑے عشاق کا مجمع ہوتا ہے۔ ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے قربانیوں کی حد کر دی۔ اتنے عظیم انسانوں میں سے جو شخص پہلے ہی خود کو چھوٹا تصوّر کر رہا ہو اور پھر اس پہ مزید۔ وہاں صرف اگر کسی کی طرف حیرت سے دیکھا ہی جائے۔ یہ تم نے کیا کر دیا۔ تو اس کی تباہی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ میں یقیناً جب تک اللہ کریم چاہیں گے کبھی ہاتھ نہیں کھینچوں گا۔ جس میں جتنی اور جب بھی استعداد ہوگی اسے کچھ زیادہ ہی ملے گا۔ کم نہیں ملے گا انشاء اللہ العزیز لیکن اس امید کے ساتھ کہ آپ بھی مجھے شرمندہ نہیں کریں گے۔ اس لیے بھی کہ یہ نعمت دنیا میں باقی رہے اور اگر خدا نے لوگوں سے اس سعادت کو واپس ہی لینا ہے تو اس واپسی کا سبب کم از کم میں نہ بنوں۔

جب تک جس وقت تک میں اور آپ حق پر رہیں گے۔ خلوص کے ساتھ نہایت دیانتداری کے ساتھ صرف اللہ کی رضا کے لیے صرف معرفتِ الٰہیہ کے حصول کے لیے اللہ کا قرب تلاش کرتے ہوئے ان منزلوں کی طرف گامزن رہیں گے۔ تب تک یقیناً یہ انعامات، یہ دولت ہمارے پاس رہے گی۔

جہاں سے اور جب بھی خلوص اُٹھ جائے گا۔ وہاں سے یہ نعمتیں اُٹھ جائیں گی۔ پھر دنیا داری رہ جائے گی۔ یہ دولت تو رہے گی جب تک یہ کائنات باقی رہے گی۔

افراد بدل جاتے ہیں۔ اقوام بدل جاتی ہیں۔ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔ اگر ایک جگہ سے خلوص اُٹھ جائے تو خدا ایسے افراد کو لے آتا ہے جو اللہ کی محبت میں سرشار ہو کر پھر اس نعمت کو سنبھال لیتے ہیں۔ دوسرے محروم رہ جاتے

ہیں۔ پھر بات صرف طبلے بجانے اور قوالیاں سننے تک رہ جاتی ہے۔ صرف راگ و رنگ تک رہ جاتی ہے۔ صرف چھینا جھپٹی ہوتی ہے اور ایک دوسرے کو خدا کے نام پہ دھوکا دیا جاتا ہے۔

(اَعَاذَنَا اللہ وَاِیَّاکُمْ)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط
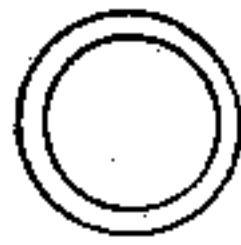
بیان: ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ ہجری ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صبح شام کے اذکار میں جو وقت لطائف پہ میں آپ کو دیتا ہوں وہ بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ شاید لطائف پہ زیادہ وقت لگانے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شب و روز آپ لطائف کرتے ہیں۔ اور احباب کراتے رہتے ہیں۔ میرے ذمے یہ ہوتا ہے کہ جس قدر استعداد لطائف میں پیدا ہو چکی ہے۔ اس قدر انہیں توجہ دے دی جائے۔ وہ کام بفضل اللہ ایک نگاہ میں ہو سکتا ہے۔ جہاں تک اخذِ توجہات کی استعداد کو پیدا کرنا ہے۔ اس کے لیے مجاہدہ شرط ہے اور اس کے لیے اشد محنت کی ضرورت ہے۔ احباب کے ساتھ مل کر کرے تنہا کرے لطائف کثرت سے کرتا رہے۔ پھر ایک لمحہ کی صحبت بھی اسے وہ ساری برکات عطا کر دیتی ہے جس کی استعداد لطائف میں اور جن کی قوتِ برداشت ان میں پیدا ہوتی ہے۔ اکثر اوقات آدمی مجاہدہ یا لطائف کثرت سے کرے تو جس طرح کھانے کی بھوک لگتی ہے۔ اسی طرح شیخ کی توجہ کے لیے بھوک پیدا ہو جاتی

ہے۔ آدمی ملاقات کے لیے بے چین ہو جاتا ہے اور جب توجہ نصیب ہو جائے تو سیری ہو جاتی ہے۔ محسوس ہوتا ہے۔ مشاہدہ نہ بھی ہو تو یہ چیزیں محسوس ہوتی ہیں۔

یہ مَیں نے اس لیے عرض کرنا مناسب سمجھا کہ مجھے خیال گزرا کہ کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے شاید لطائف کے لیے زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے میرے پیشِ نظر ہوتا ہے کہ تمام مراقبات پہ توجہ ہو جائے کم از فنا بقا تک جتنے ہیں۔ سب پہ توجہ ہو جائے اس کے لیے بھی وقت درکار ہے۔ آجکل رمضان المبارک کی وجہ سے صبح و شام ذکر کے لیے تھوڑا وقت ملتا ہے۔ یہ بھی ایک سبب بن جاتا ہے لطائف کم کروانے کا۔ باقی تو سارا دن بفضلِ تعالیٰ کرتے ہی رہتے ہیں۔ ان میں جس قدر قوت پیدا ہو۔ اس قدر برکات اخذ کرتے ہیں۔ اگر ذاتی طور پر اپنے لطائف قوی نہ ہوں اور روح کو پکڑ کر آدمی مختلف مراقبات تک لے جائے تو جب شیخ سے جدا ہو گا یا جب شیخ کی توجہ ہٹے گی۔ روح واپس اپنی جگہ پہ آ جائے گی۔ ان مقامات پہ ٹھہر تب ہی سکتا ہے جب اس میں اپنی ذاتی قوت موجود ہو۔ پہنچانا وہاں تک شیخ کا کام ہے اور وہاں پہ ٹھہرنا اس کی اپنی ہمت ہے۔

فنا فی الرسول ﷺ اوّلیں و آخری منزل ہے۔ سلوک شروع بھی یہیں سے ہوتا ہے۔ اور اس کی انتہا بھی یہی ہے۔ فنا کی صورتیں بدلتی چلی جاتی ہیں۔ مدارج بدلتے چلے جاتے ہیں۔ جُوں جُوں انسان منازلِ بالا میں قدم جماتا ہے۔ تُوں تُوں فنا فی الرسول مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اس شخص کی ذات اپنی نہیں رہتی بلکہ انہیں توجہات کی تقسیم کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جو برکات حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے کائنات میں بٹتی ہیں۔ وہ جو کسی نے کہا تھا۔

اُن کی ڈیوڑھی عطا ہو مجھے یا الٰہی یہ میری دعا ہے	کوئی پوچھے تو مَیں کہہ سکوں بابِ جبریلؑ میرا پتہ ہے

فنا فی الرسول میں حق یہ ہے کہ یہ انسان کا مکمل پتہ بن جائے۔ حتیٰ کہ ملک الموت بھی آئے تو صوفی کی روح کو بارگاہِ نبوی میں پائے فنا فی الرسول کا حق یہ ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب یہ مقام راسخ ہو جائے اور کامل ہو جائے تو بالکل ایسے ہوتا ہے کہ ملک الموت ایسے شخص کی روح کو پکڑ کر نہیں لے جاتا بلکہ اس کا تعلق جو دنیاوی معاملات کے ساتھ بدن کے ساتھ دنیوی زندگی کے ساتھ ہوتا ہے۔ صرف اس کو منقطع کر دیتا ہے۔ ورنہ وہ روح تو بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوتی ہے اور فنا فی الرسول کا حق بھی یہی ہے۔

عمومی مفہوم بھی فنا فی الرسول کا یہی ہے انسان اپنے آپ سے گزر جائے۔ خود فنا ہو جائے۔ اگر باقی ہو تو سنتِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ۔ اس کا قول ہو یا فعل اس کا کردار ہو یا عمل حضور ﷺ کے احکامات اور سنّت کا مظہر ہو۔ اور اس کی اپنی رائے کو اس میں دخل نہ ہو۔

بحیثیتِ انسان خطائیں بھی ہوتی ہیں۔ غلطیاں کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن وہ قصور کو اپنی طرف منسوب کرے۔ سمجھے کہ یہ خطا میرے نفس کی اور میری کمزوری کی وجہ سے ہے اور کمالات کو اس طرف منسوب کرے کہ یہ روشنی یہ نورانیت یہ ضیاء یہ چمک سب اس طرف کی ہے۔

ایک مصیبت ہر دور میں ہر انسان کے ساتھ ہوتی ہے کہ اس کے ہم عصر جو ہوتے ہیں اس کے اپنے زمانے کے لوگ ان کے معیار حضور کی شریعت نہیں ہوتی۔ ان کے پاس معیار ان کی اپنی پسند و ناپسند ہوتی ہے۔ ہم عصر لوگوں میں سے جو لوگ اس انسان کو پسند کرتے ہیں وہ اس کی کوتاہیوں سے بھی درگزر کرتے ہیں۔ اور اگر واقعی خطا بھی ہو جائے تو وہ کہتے ہیں کوئی بات نہیں۔

اوّل تو وہ قصور کو قصور نہیں مانتے۔ اس کے گناہوں کو خوبی شمار کرتے ہیں اور اگر کوئی زیادہ ہی سنجیدہ شخص ہو تو وہ اس کی خطا کو بھی انسان سمجھ کر درگزر کرتا ہے اور جو لوگ فی ہنآ خلاف ہوں۔ وہ اس کی نیکیوں کو بھی خطا کا درجہ دیتے ہیں۔ اس روش کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ نہ میں نہ آپ۔ یہ فطرت ہے انسان کی، یہ انسانی مزاج ہے۔ لوگ بعض اوقات نیکی پہ مطعون کرتے ہیں اور برائیوں پہ تعریف کرتے ہیں۔

صوفی کو لوگوں کی تعریف یا تنقیص سے بالاتر ہو کر سوچنا چاہیئے خصوصاً اُن حضرات کو جن کو فنا فی الرسول ﷺ نصیب ہو جائے۔ ان کا حق یہ ہے کہ کسی بھی کام کا معیار حضور ﷺ کی پسند ہو۔ لوگوں کی پسند نہ ہو۔ کیونکہ لوگ وہاں تک نہیں پہنچتے، جہاں تک وہ پہنچا ہوا ہے۔ لوگوں کو وہاں حاضر نہیں ہونا۔ شام کو جہاں اس کو جا کر کھڑا ہونا ہے۔ لوگوں سے اسی درجہ کی پوچھ گچھ نہیں ہو گی، جس معیار کی اس سے ہو گی۔

کوئی شخص جسے یہ منصب عالی نصیب ہو جائے اس پہ اللہ کی نعمتیں تمام ہو گئیں سب سے پہلے قرآن کریم کے مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے اس آیت کریمہ کے سب سے پہلے مخاطب بھی وہی ہیں۔ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ اور اتمام نعمت کی عملی صورت کیا تھی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی معیت۔ یہ تمام نعمتوں کے اتمام کی عملی صورت تھی۔

تو جس بھی بندے پہ اللہ کی عطا اس قدر ہو کہ اسے حضور کے قدموں میں فنا نصیب ہو جائے اور پھر آج کے دور کا انسان جب کہ انسانیت اپنی راہ سے ہٹ چکی ہے۔ وجود اعضاء و جوارح قد کاٹھ اور اشکال انسانی ہیں۔ لیکن انسانوں کی کھالوں میں بھیڑیئے اور درندے ہیں۔ اخلاق عادات اطوار کردار سب درندوں جیسے ہیں۔ کھال انسانوں کی ہے

اس کھال کے اندر انسان نہیں بستے اس گئے گزرے دَور کا انسان اللہ کریم اس پہ رحم فرمائے کہ چودہ صدیوں کا سینہ چیر کر دربار گاہ اقدس میں حاضر ہو۔

اس سے زیادہ اتمامِ نعمت کی عملی صورت کیا ہو گی۔ کوئی بھی نعمت جو کائنات میں بٹتی ہے وہ اللہ کی رحمت ہے۔ اور رحمتِ مجسّم ہیں محمد رسول اللہ ﷺ اولین کیلئے بھی آخرین کے لیے بھی اللہ کے سوا ساری کائنات کے لیے رحمتِ مجسّم ہیں محمّد رسُول اللہ ﷺ دو عالم کو ان کے نقشِ کفِ پا پہ قربان کر دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ دنیا تو بڑی حقیر سی شے ہے اور اس نے چھوٹ جانا ہے۔ ہر ایک سے چھن گئی ہمارے پاس کب رہے گی۔ دنیا کو اگر حضور کے ارشادات پہ قربان کیا بھی تو اس نے کوئی بڑا کمال نہیں کیا۔ دنیا تو ویسے بھی ضائع ہونے والی نعمت تھی۔ چھن جانے والی نعمت تھی۔ یہ کون سی سدا اس کے پاس رہنی تھی کہ یہ اس بات کو بڑا سمجھے میں نے بڑی قربانی کی ہے۔ میں نے دنیا کی راحتیں حضورؐ پہ قربان کر دیں۔ تو یہ راحتیں تیرے پاس رہنے والی کب تھیں۔ مزہ تو جب ہے کہ اپنی پسند ہی کو قربان کر دے۔ اس کا اپنا کچھ باقی نہ ہو۔ اسے کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔ نام و نمائش کی تمنا نہ ہو، اپنی کسی خوبی اور صفت کے ساتھ متصف ہونے کی ضرورت نہ ہو۔ نہ بڑا بننے کی خواہش ہو۔ نہ پیری کی خواہش ہو نہ فقیر کہلوانا چاہے نہ کوئی اقتدار اس کے لیے ضروری ہو نہ اسے دولت کی ہوس ہو۔ اس کے پاس جو کچھ ہو انہی کا ہو انہی کے لیے ہو۔

نہ آوردم از خانہ چیزے نخست
بمن ہر چہ دادی ہماں چیزِ تست

انسان ہر حال میں اپنی حیثیت کو یاد رکھے اور اپنی خطاؤں اور اپنی لغزشوں کوتاہیوں اور نا اہلیوں کے مقابلہ میں اس کے انعامات کو اس کی عطا کو اسکے کرم کو اس

کے جود کو دیکھ رہا ہو۔ دین بھی اسی کا نام ہے۔ آخرت کی بھلائی بھی اسی میں ہے۔

تصوف اور سلوک کا ماحاصل بھی یہی ہے اور اس راہ میں سب سے بڑی روکاوٹ بھی یہی ہے صوفی کو زنا میں مبتلا کرنا شیطان کے لیے آسان نہیں ہے۔ صوفی کو جھوٹ میں مبتلا کرنا شیطان کے لیے مشکل ہے۔ صوفی کو چوری میں مبتلا کرنا شیطان کے لیے مشکل ہے یہ ایسے کام ہیں۔ جن کے لیے شیطان مشورہ دے تو انسان کھٹک جاتا ہے کہ میں بھلا یہ کام کیوں کروں۔ یہ تو بُرا کام ہے۔ سب سے بڑی مصیبت جس راہ سے شیطان اندر آتا ہے۔ کہ وہ اسے اس کے کمالات پہ نازاں کر دے۔ یہاں انسان دھوکہ کھا جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں۔

آپ نے خود بھی دیکھ لیا۔ ہم نے آپ سے کچھ زیادہ دیکھا۔ کیسے کیسے نیک صالح صاحبِ علم مجاہدہ کرنیوالے لوگوں نے عمریں محنت پہ کھپا دیں۔ لیکن اس بے ایمان نے ان کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ اَب تو آپ بھی کچھ ہیں اور یہ ایک جملہ انہیں یوں نابود کر گیا کہ اس ہونے سے ان کا نہ ہونا بہتر تھا۔ اے کاش وہ نہ ہوتے۔ ہم نے اس سے بھی کچھ زیادہ دیکھا ہے۔ ہم نے پہلے بھی کچھ لوگوں کو گرتے دیکھا ہے۔ انہوں نے چوری نہیں کی تھی۔ وہ بدکار نہیں تھے۔ فاسق و فاجر نہیں تھے۔ ایسے ایسے لوگ تھے۔

کہ مجھے ایک دفعہ اتفاق ہُوا۔ ایک لڑکے کو میں لے گیا۔ حضرت کی خدمت میں اسے ایک جن نے پاگل کر دیا تھا۔ حضرت ناراض ہوئے۔ کیوں ایسے لوگوں کو پکڑ کر لاتے ہو۔ پھر آپ نے اسے توجہ دی۔ بحمد للہ ٹھیک ہو گیا۔ تو آپ نے ایک ساتھی کی طرف حکم دیا کہ اسے کم از کم ایک چلہ چھوڑ دیا جائے وہ اسے مسلسل ذکر کراتا رہے تاکہ یہ خود مضبوط ہو جائے۔ وہاں سے آپ نے ایک ساتھی بھی اس کے ساتھ بھیجا۔ وہ اسے اس کے پاس چھوڑ کر آ گیا اور تیسرے

چوتھے دن وہ واپس آگیا۔

مَیں نے اس سے پوچھا واپس کیوں آ گئے ہو۔ ان سے پوچھا حضرت واپس کیوں کر دیا وہ کہنے لگے۔ اس شخص میں استعداد ہی نہیں ہے اللہ اللہ کرنے کی حضرت وہ کیوں یار یہ دن میں ہر نماز کے لیے وضو کرتا ہے۔ ایسا آدمی اللہ اللہ نہیں کر سکتا۔ مَیں اسے پاس رکھوں گا جو چوبیس گھنٹوں میں ایک دفعہ وضو کرے۔ یہ اتنا کھاتا ہے۔ اتنی دفعہ باہر جاتا ہے۔ بار بار وضو کرتا ہے۔ میں اس کے ساتھ مذاق کرتا رہوں۔ اگر چوبیس گھنٹوں میں ایک وضو سے گزارہ کر سکتا ہے تو میرے پاس رہے۔ ورنہ حضرت سے عرض کر دو کسی اور کے پاس بھیج دیں اور اس کا اپنا یہی حال تھا۔ اس کی عمر اس طرح بسر ہو رہی تھی کہ ایک بار وضو کر کے چوبیس گھنٹے بسر کرتا تھا۔ مکان کا لالچ نہیں تھا۔ تنخواہ کا لالچ نہیں تھا۔ دولت نہیں تھی۔ سادہ لباس ہوتا تھا اور چند لقمے غذا۔ اب بھی ہے لیکن پاگل ہو چکا ہے۔ ایمان ضائع کر چکا ہے۔ اور صاف وجودِ باری کا بھی انکار کرتا ہے۔ اب کہتا ہے خدا ہے کہاں اور پاگل ہے دیوانہ ہے کپڑے پھٹے ہوتے ہیں۔ بال پریشان ہیں۔ دو تین سال سے خبر نہیں ملی شائد کہیں مرکھپ گیا ہو۔ میں نے اس شخص کو اس حال میں بھی دیکھا ہے کہ دنیا کی بات ہو یا برزخ کی یا آخرت کی وہ آنکھ بند کر کے نہیں دیکھتا تھا کھلی آنکھوں بات کیا کرتا تھا۔ فلاں جگہ یہ ہو رہا ہے فلاں جگہ یہ ہو رہا ہے۔

چکڑالہ میں ایک ساتھی ہوا کرتا تھا۔ محمد اشرف نام تھا۔ بے چارہ قتل ہو گیا اور اس کے قاتلوں کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ تو وہ ایک دفعہ حضرت کی خدمت میں تھا کہ اسی ساتھی کو دوسرے ساتھیوں نے گھیر لیا۔ کہ حضرت اس قبرستان میں ایک اشرف نامی آدمی دفن ہے اس کے متعلق ہمیں کچھ بتائیں۔ پہلے تو اس نے کہا کہ جاؤ مجھے تنگ نہ کرو لیکن جب انہوں نے مجبور

کیا تو کھلی آنکھوں باتیں کر رہا تھا۔ کہنے لگا وہاں تو کتنے اشرف ہیں۔ ان کی ولدیت بتاؤ۔
تو فوراً کہنے لگا تم اس کے بارے میں پوچھتے ہو جو قتل ہوا ہے۔ تمہارا خیال ہے قاتلوں
کا پتہ میں بتاؤں گا۔ بڑی منتیں کیں انہوں نے کہا کہ حضرت بتا ہی دیجئے۔ یہ کہنے لگا نہیں
میں زبان نہیں کھولوں گا۔ اور آنکھ بند نہیں کی تھی۔ اس کے ایک نہیں متعدد واقعات
ہوتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ اسے مختلف کام سونپ دیتے تھے۔ فلاں حضرت
سے یہ پتہ کرو فلاں مشائخ سے یہ پتہ کرو۔ تو ایک دفعہ دیکھا مسجد میں حضرت کے لیے کوزہ
بھر رہا تھا اور حضرت کو بتا رہا تھا۔ فلاں حضرت یہ بتا رہے ہیں۔ فلاں یہ فرما رہے ہیں۔
سمجھ نہیں آتی تھی۔ یہ شخص کیسا ہے۔

خود حضرت جی فرمایا کرتے تھے متقدمین میں سے بھی اتنا واضح صاف صاحب کشف
کوئی نظر نہیں آتا جتنا یہ شخص ہے اور بالآخر وہ شخص ایمان سے بھی گیا۔ کسی چوری چکاری
زنا اور بدکاری کی وجہ سے نہیں بالآخر اس بات پر پہنچ گیا تھا کہ میں بھی کچھ ہوں اور
مجھے یاد ہے حضرت نے تنبیہاً اسے خط لکھا تھا تو اس نے جواب میں لکھا تھا کہ اللہ کی
بارگاہ سے جب کسی کا رشتہ جڑ جاتا ہے۔ جب فیوضاتِ باری کا دروازہ کھل جاتا ہے
تو پھر اسے کوئی بند نہیں کر سکتا۔ اس سے مراد یہ تھی کہ وہ حضرت سے کہہ رہا تھا آپ
مجھے کیوں ڈانٹتے ہیں۔ آپ میرا کیا بگاڑ لیں گے یعنی اس سے مفہوم یہ مترشح ہوتا تھا۔

حضرت نے جواباً لکھا تھا کہ اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو یہ دروازہ بند نہیں
ہوگا بلکہ ٹوٹ جائے گا اور ایسا ٹوٹے گا کہ یہاں کسی چیز کا نشان نہیں ملے گا۔ یہ ٹوٹ
جائے گا اور ایسا ٹوٹے گا کہ یہاں کھنڈر بھی نہیں ہونگے۔ اور پھر واقعی یہ ہوا کہ اب وہاں
کوئی کھنڈر نظر نہیں آتا۔ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ یہ شخص کبھی مسلمان رہا ہوگا۔

بھائی میں آپ کی سمع خراشی اس لیے کر رہا ہوں کہ یہ بہت بڑا کمال ہے بہت بڑی بات ہے لیکن یہ بڑائی نہ میری ہے۔ نہ آپ کی یہ بڑائی بھی انہی کی ہے۔ جنہیں سزاوار ہے۔ اگر یہ بہت بڑا کمال ہے۔ تو یہ بھی اللہ ہی کی عطا ہے۔ اگر اس میں بہت بڑی نورانیت ہے تو یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ پاک کا صدقہ ہے۔ عظمت ہے تو خدا کے لیے ہے عظمت ہے تو اللہ کے رسولؐ کے لیے ہے اگر کوئی کمال ہے تو انہی کا ہے۔

ع اُنہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
اُنہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

مرا فقط ہاتھ چل رہا ہے انہی کا مطلب نکل رہا ہے
اُنہی کا کاغذ اُنہی کا مضموں قلم انہی کا دوات ان کی

اگر میری اک نگاہ سے آپ کو یہ کمال حاصل ہوتا ہے تو اس میں میرا کمال نہیں ہے یہ بھی ان کا کرم ہے کہ اپنی اس تقسیم کے لیے اپنے اس احسان کو بانٹنے کے لیے مجھ جیسے ایک ناکارہ شخص کو پسند کر لیا۔

اگر میں خدانخواستہ کبھی اس زعم میں مبتلا ہو جاؤں کہ یہ کوئی میرا کمال ہے تو وہاں انسانوں کی کمی نہیں ہے۔ کوئی اور پسند کر لیا جائے گا۔

ع اس کا کیا ہے تم نہ سہی تو چاہتے والے اور بہت
ترکِ تعلق کرنے والو تم تنہا رہ جاؤ گے

وہ خالق ہے خود پیدا کرتا خود بناتا ہے اُسے کسی کی کیا احتیاج ہے۔

ہمیشہ اس بات پہ نگاہ رہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک عہد کلمہ پڑھنے

کا تھا۔ اور پھر دوسرا وعدہ چودہ صدیوں کا فاصلہ پاٹ کر پھر خود آپ نے بارگاہِ نبوی میں جا کر کیا۔ دونوں ہاتھوں سے دستِ مبارک کو تھام کر کہ آئندہ زندگی یا میری حیاتِ مستعار میری نہیں ہو گی۔ آپ کے حکم کے مطابق صرف ہو گی۔ اس وعدے کا پاس رہے ہے۔ خدا کی مرضی کہ کس وجود سے وہ کیا کام لینا چاہتا ہے یہ اس کی عطا ہے اور ان انعامات پہ جب بھی زبان کھُلے تو شکر کے ساتھ کھلے۔ اس کے اس کی عطا ہے اور ان انعامات پہ جب بھی زبان کھلے تو شکر کے ساتھ کھلے۔ اس کے احسانات کو یاد کرتے ہُوئے کھلے۔

زندگی کا ہر سانس اس کی یاد میں بسر ہو اور اٹھنے والا ہر قدم اس کی بارگاہ کی طرف ہو۔

ان کی ڈیوڑھی عطا ہو مجھے یا الٰہی یہ میری دعا ہے!
کوئی پوچھے تو میں کہہ سکوں بابِ جبریلؑ میرا پتہ ہے!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

داڑھی کی اہمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ○ اَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

ہر کام کی ایک شرعی حیثیت ہوتی ہے اور جو کام جس حیثیت کا ہو اسی قوت سے اسے نافذ کیا جانا چاہیئے۔ دوسری حیثیت اس کام کا فلسفہ کہہ لیں یا اس کی باطنی کیفیات ہوتی ہیں۔ جو اس کام کرنے یا نہ کرنے پہ انحصار رکھتی ہیں۔ بعض امور اپنے ظاہری حکم کے اعتبار سے اس قدر ضروری نظر نہیں آتے۔ جس قدر ان کی ضرورت ان کی باطنی کیفیات یا اثرات کو دیکھ کر محسوس ہوتی ہے ان ہی میں سے ایک امر داڑھی کا رکھنا ہے۔ یہ امر مسنون ہے یعنی داڑھی کو سنّتِ خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حاصل ہے اور یہ بہت بڑا مقام ہے۔ آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ ایسی سنت ہے۔ جس کا خلاف کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ ورنہ بعض امور میں دونوں جانب سنت موجود ہوتی ہے۔ اور جس کو جس جانب ترجیح نظر آئے اس پر عمل کر سکتا ہے۔ جیسے رفع یدین کہ کرنا بھی سنت نہ کرنا بھی سنت۔ اہلِ سنت نہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور اہلِ حدیث کرنے کو بلکہ اہل سنت میں سے بھی شافعی حضرات کرنے ہی کو موجبِ ثواب جانتے ہیں۔ مگر داڑھی منڈوانا کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ جس قدر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام مبعوث ہوئے

کسی سے بھی ثابت نہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اللہ کے آخری نبی
حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک کسی نبی نے داڑھی نہیں منڈائی۔ اس طرح یہ ہے
تو سنّت مگر فرائض کے قریب تر ہے۔

اُسترے سے مونڈنا حرام ہے حتیٰ کہ اس کی اُجرت بھی حرام ہے۔ دینا بھی اور
لینا بھی۔ حتیٰ کہ امام ابن کثیر نے ایک حدیث پاک یوں نقل فرمائی ہے جس کا مفہوم ہے
کہ پیشہ کرنے والی عورت کی اجرت کتّے کی قیمت اور حجام کی آمدن حرام ہیں۔ الفاظ
غالباً یوں ہیں مهر البغی حرامٌ ثمن الکلب حرامٌ وکسب الحجام حرامٌ
ممکن ہے الفاظ کی ترتیب میں فرق ہو کہ لائبریری کھلی پڑی ہے اور کتاب سے دیکھا
نہیں جا سکتا۔

بہر حال اگر کوئی صاحب چاہیں تو تفسیر ابن کثیر سے تلاش کر سکتے ہیں۔ قینچی
سے کترانا کہ سنت سے کم ہو یہ بھی خلاف سنت ہے۔ ہاں اگر مشت بھر سے زائد کترا دی
جائے تو درست ہے۔ مگر مشت ٹھوڑی پہ رکھ کر نہ کہ ہونٹوں کے ساتھ یہ زائد کا کترانا اس
میں تیل کنگھی کرنا، سنوارنا۔ یہ سب پسندیدہ افعال ہیں۔ اور حضور ﷺ سے ان کا حکم
ثابت ہے امامت کے مسئلہ میں کترانے والا ہو یعنی جس کی داڑھی سنت سے کم ہو یا
منڈوانے والا دونوں کی امامت درست نہیں۔

اتفاقاً کسی جگہ اگر ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا پڑے تو ہو جائے گی۔ لیکن مستقلاً
ایسے حضرات کی امامت جائز نہیں۔ نہ ان کے پیچھے نماز درست ہے اور اکثر آئمہ نماز کو
اس سے غافل پایا گیا ہے۔ بلکہ اب تو بڑے بڑے سکالر صرف خشخشی داڑھی رکھتے ہیں
شاید یہ بھی کوئی دانش کی قسم ہو گی کہ یہ حضرات دانشور جو ٹھہرے۔ ہاں بعض لوگوں کے

بال ہی کم بڑھتے ہیں۔ وہ کٹا کر چھوٹی نہیں کرتے۔

عموماً نوجوانوں کی داڑھیاں اس وجہ سے سنّت سے کم ہوتی ہیں تو وہاں کوئی حرج نہیں بلکہ وہ سنت شمار ہوں گی۔ یہاں تک بات ظاہری پہلو سے تھی۔ میں اس کے باطنی اثرات عرض کرنا چاہتا تھا کہ احکام ظاہری سے عموماً اکثر حضرات واقف بھی ہیں اور یہ تمام احکام عام کُتب میں بھی مل سکتے ہیں۔ باطناً اس کا سب سے بڑا منفی اثر یہ ہے کہ حضور ﷺ داڑھی منڈانے والے شخص کے چہرے کو دیکھنا پسند نہیں فرماتے اور اس کی طرف آپ ﷺ کی نگاہِ پاک نہیں اُٹھتی۔ مسلمان کے لیے آپ ﷺ کی نگاہ ہی تو سرمایۂ حیات ہے خصوصاً صوفی تو اس کی طلب میں پوری عمر صرف کر دیتا ہے اور پھر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے احباب جو برزخ میں پہنچ کر آپ ﷺ کے دستِ مبارک پہ بیعت کے طلب گار ہیں۔ وہ کیسے داڑھی منڈا سکتے ہیں اور اگر داڑھی بھی منڈاتے ہیں اور حضوری کے خواہشمند بھی ہیں۔ تو یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔

یہاں میں ایک تاریخی واقعہ اپنی بات کی تائید میں پیش کرتا ہوں۔ آپ حضرات اس سے اندازہ فرمالیں۔ ہوا یہ کہ ہجرت کے بعد حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور تمام ملوکِ عجم کو بھی سفارت روانہ فرمائی اور خطوط تحریر فرما کر اسلام کی دعوت دی۔ ایک خط خسرو پرویز والئی ایران کو بھی روانہ فرمایا۔ یہ بات یاد رہے کہ یہ ایک بہت عظیم الشان سلطنت تھی اور مورخین کے مطابق طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد زمین پر جو پہلی حکومت وجود میں آئی وہ یہی تھی۔ اپنے ابتدائی دنوں سے لے کر ظہورِ اسلام تک ایک ہی خاندان میں مسلسل رہی حتیٰ کہ فاروقِ اعظمؓ کے ہاتھوں تباہ ہو کر لوگوں

کی گردنوں سے اتری اور آتش کدے سرد ہو کر تکبیر و تہلیل کے نغمے گونجے اور لوگوں کو معرفتِ باری کی نسیمِ جانفزا نصیب ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

سو یہ خسرو پرویز موجودہ اصطلاح کے مطابق ایک "سُپر پاور" بھی تھا اور جدی پشتی ایک متکبر بادشاہ بھی۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ مبارک کی سخت توہین کی۔ پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس پر تھوکا اور پاؤں کے نیچے مسل دیا۔ اور قاصد سے کہا کہ بادشاہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا کرتے ورنہ میں تجھے تہ تیغ کر دیتا۔ اب جا اپنے صاحب سے سب حال بیان کر اور یہ بھی بتا دے کہ میں اس کی خبر لینے والا ہوں۔ اور یہ اکیلا بدنصیب حکمران تھا جس نے نہ صرف والا نامہ مبارک کی سخت توہین کی بلکہ یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ اس شخص کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کرو۔ اگر خود کو گرفتاری کے لیے پیش نہ کرے تو پورے عرب کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔

جب قاصد واپس خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماجرا سن کر بد دعا دی۔ اَللّٰھُمَّ مَزِّقْ مُلْکَہٗ کُلَّ مُمَزَّقٍ کہ اے اللہ جس طرح اس نے میرے خط کے ٹکڑے کیے ہیں۔ تو اس کی سلطنت کے ٹکڑے فرما دے۔

میں یہ ساری بات "داڑھی کی اہمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں" کے عنوان سے پیش کر رہا ہوں۔ اور یہاں حال یہ ہے کہ لوگ داڑھی بھی منڈواتے ہیں۔ اپنے نام کے ساتھ پرویز کا لاحقہ بھی لگا رکھا ہے اور اسلام کو طلوع فرما رہے ہیں اور لطف کی بات کہ "اس پر یاں اعتبار بھی ہے" یہ تو دانشوروں کی حالت ہے۔

عوامی شعور کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کے نام پرویز رکھے ہوئے ہیں۔ کیا بات ہے! خیر دوسری طرف حکم باذان کے پاس پہنچا کہ مدینہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نامی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور مجھے خط بھیجا ہے۔ جس میں اپنا نام مجھ سے پہلے لکھا ہے اسے فوراً گرفتار کرکے میرے ہاں پیش کیا جائے۔ باذان نہایت معقول انسان تھا۔ اس نے سوچا جو شخص خسرو پرویز کو دعوت دے رہا ہے یقیناً کوئی غیر معمولی انسان ہے۔ بجائے فوج لے کر چڑھ دوڑنے کے پہلے بات کی جائے۔

چنانچہ اس نے اپنے دستِ راست اور قریبی رشتہ دار فیروز دیلمی کو چند چیدہ سوار دے کر روانہ کیا اور پیغام دیا کہ آپ اپنے کو ہمارے حوالے کر دیں ہم یہ سفارش کریں گے کہ آپ کو قتل نہ کیا جائے۔ مگر ساری عمر پرویز کی قید سے آپ نہیں نکل سکتے۔ بصورتِ دیگر جو حشر آپ کی قوم کا ہوگا اس کا تصوّر بھی محال ہے۔

یہ شخص مدینہ منورہ پہنچا بارگاہِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوا اور پیغام عرض کر دیا۔ حال یہ ہے کہ حضور ﷺ ایک نوزائیدہ سلطنت کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ چند جاں نثار جو ہیں سب زیرِ تربیت ہیں قرآنی احکام نازل ہو رہے ہیں اور آپ ان لوگوں کو سکھا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مشرکین کا دھڑکا ہر وقت لگا ہوا ہے۔ اور وہ مدینہ منورہ کو تاراج کرنے کے درپے ہیں۔ ادھر یہود ہیں کہ مدینہ پاک میں بیٹھے سازشیں کر رہے ہیں۔ کبھی یا وہ گوئی سے ایذا پہنچاتے ہیں تو کبھی قتل کا مشورہ کرتے ہیں۔ پھر مشرکینِ مکّہ سارے عرب میں دوڑ رہے ہیں کہ کفر جمع ہو کر اس چراغِ ہدایت کو بجھا دے۔ یہاں صرف اللہ تعالیٰ کا بھروسہ ہے۔ نہ فوج نہ اسلحہ اور راشن کا یہ حال کہ شکمِ اطہر پہ پتّھر بندھے ہیں کہ پرویز کا یہ حکم پہنچتا ہے اور وہ کہتے ہیں۔ ہمیں ہمارے رب نے یہ حکم دیا ہے۔ بادشاہ اور ملوک عموماً اپنے آپ کو رب کہلوایا کرتے تھے۔ مورخ ان کا حلیہ لکھتے ہیں کہ زرہیں لگی ہوئی، تمام اسلحہ پاس، اعلیٰ گھوڑوں پہ سوار تھے۔ داڑھی منڈی ہوئی تھی اور

مونچھیں بڑھا رکھی تھیں۔

میں نے سارا منظر عرض کر دیا ہے۔ اس حال میں بھی حضور انور ﷺ نے صرف ایک بار ان کو دیکھا اور نگاہ پھیر لی۔ پھر دوبارہ منڈی ہوئی داڑھی اور بڑھی ہوئی مونچھ دیکھنا پسند نہ فرمایا۔

"محمد رسول اللہ ﷺ" کا مصنف بطور خاص لکھتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ تمہارے رب نے جو کہا تھا تم نے پہنچا دیا۔ اب آرام کرو۔ جو بات میرا رب مجھے فرمائے گا میں تمہیں بتاؤں گا مگر ان کی طرف دیکھنا پسند نہیں فرمایا۔

رات پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا۔ صبح آپ ﷺ نے انہیں مطلع فرمایا کہ تمہارا بادشاہ رات مر چکا ہے۔ اس کا حکم مر گیا۔ اب نئے بادشاہ سے حکم حاصل کرو۔ اسے بیٹے نے قتل کر دیا۔ فیروز دیلمی نے یہ بات باقاعدہ دہرائی کہ آپ بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں اور اس کے نتائج پر بھی خیال فرمالیں مگر حضور ﷺ کو اپنی بات پہ ثابت دیکھ کر اس نے وقت اور تاریخ لکھ لی اور واپس یمن روانہ ہو گیا۔ باذان کو جا کر ساری بات سُنائی۔ ابھی یہ اس بات پہ حیران ہو رہے تھے کہ شیرویہ کا قاصد پرویز کی موت کی خبر لایا اور ساتھ حکم لایا کہ اس ہستی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ یہ بات دیکھ کر باذان فیروز اور ان کے ہمراہی مسلمان ہو گئے۔ اس سارے واقعہ میں میری غرض اس بات سے ہے کہ اتنے مشکل حالات میں بھی اور ان کی حیثیت مہمان کی بھی تھی۔ اکرام ضیف تو آپ ﷺ کی شان تھی۔ مگر دوسری نگاہ آپ ﷺ نے ان کو دیکھنا گوارا نہیں فرمایا۔ اب وہ لوگ جو حضور ﷺ سے خصوصی فیوضات و برکات کے طالب ہیں۔ خود غور فرمائیں کہ کیا منڈی ہوئی داڑھی لے کر انہیں خود محسوس نہیں ہوتا کہ وہاں حاضری کیسے ممکن ہے

یہ سلسلۂ عالیہ واحد سلسلہ ہے جو براہِ راست آپ ﷺ سے اخذ فیوضات کر کے سالک کی روح کو آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور بیعت کی سعادت سے سرفراز کرتا ہے۔ یہ واحد سلسلہ ہے جو صدیق اکبرؓ سے جاری ہے اور سب سے زیادہ برکات کا حامل اور سب سے زیادہ قوی بھی ہے زُود اثر بھی۔

یہاں یہ سلسلہ ہے حضور ﷺ کا اس میں اصل بیعت ہی حضور ﷺ سے ہے۔ اور روزِ اول ہی آپ کی برکات شروع ہو جاتی ہیں اور لطائف بھی تب منور ہوتے ہیں۔ جب حضور ﷺ کی نظرِ کرم ہو۔ سو اس سلسلہ عالیہ کے متوسلین سے میں یہ اُمید نہیں رکھتا کہ وہ داڑھی منڈواتے رہیں گے۔ تمام مسلمانوں کو وہ وقت ضرور یاد رکھنا چاہیئے۔ جب میدانِ حشر میں آپ ﷺ کے جھنڈے کے سوا کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے۔ تو کیا انگریزی چہرہ لے کر آپ ﷺ کے سامنے جاتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہ ہوگی یا کیا اس بات کی اُمید رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ ایسا چہرہ دیکھنا پسند فرمائینگے۔ ایک بات مزید عرض کر دوں کہ پچھلے چند سالوں میں بہت زیادہ لوگ داخلِ سلسلۂ عالیہ ہوئے۔ جن میں ایسے حضرات بھی تھے جن کی داڑھی نہیں تھی۔ اجتماعی ذکر میں جب حضرت جیؒ مراقبات کراتے تو اکثر احباب کی ارواح کھینچ کر بارگاہ نبوی تک چلی جاتی تھیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جنہیں فنا فی الرسول باقاعدہ کرا دیا گیا۔ ظاہر ہے یہ تو ہوتے ہی متبعِ سنت ہیں۔ ایک ایسے ہوتے ہیں جن کو خود مقام حاصل نہیں ہوتا۔ مگر مسلسل ذکر اور توجہ سے روح کسی قدر منور ہو کر پرواز کی استعداد حاصل کر لیتی ہے اور شیخ کے ساتھ اسکے انوارات میں کھنچی چلی جاتی ہے۔ جب شیخ سے علیحدہ ہوئے تو پھر صرف لطائف یا مراقبات رہ گئے جو باقاعدہ حاصل ہوں تو ایسے کئی لوگ جن کی داڑھیاں صاف تھیں۔ مگر ذکر کرتے تھے۔ دورانِ

مراقبہ بارگاہِ نبوی ﷺ تک کھنچے چلے گئے۔ اس امر کو حضور اکرم ﷺ نے منع فرما دیا تھا اور غالباً کئی احباب کو یاد ہوگا۔ کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ عام مجلس میں ذکر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضور ﷺ نے منڈی ہوئی داڑھی والے کسی شخص کو ساتھ لانے سے منع فرمایا ہے حالانکہ حضرت جیؒ بھی بالارادہ یہ نہیں کرتے تھے مگر اس کے بعد تو یہ حال ہوا کہ دربارِ نبوی ﷺ کی حاضری کے وقت خاص خیال رکھا جاتا تھا اور رکھا جاتا ہے۔ کہ کوئی ایسا ساتھی نہ ساتھ چلا جائے جس کی داڑھی منڈی ہوئی ہو۔ جملہ احباب سلسلہ سے خصوصاً درخواست ہے کہ اس پہلو پہ توجہ دیں اور تمام مسلمانانِ عالم سے گزارش ہے کہ دونوں عالم کی بھلائی آپ ﷺ کی سُنّت میں ہے۔ مسلمان کا حق یہ ہے کہ آپ کی سنّتوں کو زندہ کرنے والا ہو۔ اللہ کریم توفیق ارزاں فرمانے والے ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

مُحَمَّدْ اَکْرَمْ اَعْوَانْ عفی عنہٗ

خادمِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ،

دارالعرفان منارہ ضلع جہلم،

۲ر رمضان المبارک بمطابق ۲ر جون سنہ ۱۹۸۴ء،

ہدایات برائے سالکین

از

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ العالی

مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۸۴ء

آج ہمارے سالانہ اجتماع کا پہلا درس ہے۔ افتتاحی اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد یہ پہلا سالانہ اجتماع ہے۔ چند ابتدائی باتیں جو بہت ضروری ہیں۔ میں آج صرف وہ عرض کروں گا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ خود میرے سمیت حلقۂ ذکر میں داخل ہونے والے تمام احباب اللہ کی رضا کو پانے کے لیے اور خداوندِ عالم سے توفیقِ عمل چاہنے کے لیے اور احیائے دین کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ سے منسلک ہوئے۔ اللہ جلّ شانہٗ کی عطا تھی اور حضرتِ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہِ کرم کہ بے شمار لوگوں کو بے شمار انعامات سے نوازا گیا۔ آنے والا کوئی بھی فرد خالی نہ رہا۔ جو نعمتیں لوگوں نے عمریں صرف کرکے محنتیں کرکے حاصل کی تھیں۔ یہاں لمحوں میں لوگوں کو نصیب ہوئیں۔ لوگ زمانوں کو چیر کر کہیں سے کہیں جا پہنچے۔ لیکن یہ بات یاد رکھیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کوئی شخص معصوم نہیں ہوتا۔ ہر شخص سے غلطی کے صادر ہونے کا امکان باقی رہتا ہے خصوصاً جو لوگ منور القلوب ہوتے ہیں جن کے دل روشن ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ شیطانؒ بہت زیادہ محنت کرتا ہے۔ تصوف و سلوک کی غایت یہ ہے کہ انسان کو کوئی کمال بھی اپنا نظر آئے بلکہ ہر کمال میں ذاتِ باری کی عطا نظر آئے اور اس کا احسان۔ اور یہیں سے آکر شیطانؒ مداخلت

کرتا ہے۔ اس کا طریقۂ واردات بھی بڑا نرالا ہوتا ہے۔ پھر یہ انسان کے دل میں لوگوں کو بڑائی دکھانے کی خواہش پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ وہم ڈال دیتا ہے کہ میں دوسروں سے بہت برتر ہوں حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہوتی۔

اللہ جل شانہٗ کی عطا کسی کے مشورے کی محتاج نہیں ہے اور کسی وقت کی پابند نہیں ہے بہت آگے نکل جانے والے لوگ بعض لغزشوں کی وجہ سے بہت نیچے گر جاتے ہیں۔ بہت نیچے بیٹھے ہوئے لوگ بعض اوقات ایک نگاہ میں بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ اس راستے میں یہ بھی دیکھا ہے کہ لوگ زندگی بھر شیخ کو تلاش کرتے رہے اور شیخ کی تلاش میں دنیا سے گزر گئے۔ مقامات کا حاصل کرنا تو دوسری بات ہے کوئی بتانے والا نہ مل سکا۔ لیکن ان کی طلب ایسی صادق تھی کہ وفات کے سالوں بعد اور بعض اوقات صدیوں بعد کوئی ایسی ہستی انکے مزار سے گزری۔ ملاقات کسی ایسے انسان سے ہوئی کہ جسکے طفیل انہیں برزخ میں بھی منازلِ بالا بلکہ عالم امر تک کے مقامات نصیب ہوئے اب یہ رب کی مرضی کون جانے کہ کس کو کس وقت کیا بخش دے گا۔ میری ناقص رائے میں ہر ساتھی پہ یہ واجب ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عطا کردہ نعمت کی حفاظت کرے۔ اپنی کوشش اپنی بڑائی کے لیے نہیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بڑائی کے لیے وقف کرے۔ احیائے دین کے لیے وقف کرے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا۔ ان کے پردہ فرمانے سے جو خلاء پیدا ہوا ہے۔ اگر ہم ساری جماعت بھی مل کر وہاں بیٹھ جائیں تو اس خلا کو پُر نہیں کر سکتے اور یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ جب خلاء کو پُر ہوتا ہوا نہیں دیکھتے تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ ان کی پریشانی سے شیطان اپنا کام نکالنا چاہتا ہے۔

یاد رکھیں اہل اللہ پردہ تو فرما جاتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ مرا نہیں کرتے۔ دنیا سے چلا جانا موت نہیں ہے۔ موت اللہ کے نزدیک دین سے چلے جانے کا نام ہے۔ فیوضات و برکات اس عالم کی نسبت برزخ سے بہت قوی اور بہت زیادہ طاقت کے ساتھ مترشح ہوتے ہیں کیونکہ وہاں ارواح قید بشری سے آزاد ہو جاتی ہیں۔ اور ہمہ وقت متوجہ الی اللہ رہتی ہیں اور اگر وہاں سے کسی کی طرف نگاہ کریں تو وہ توجہ دنیا کی توجہات سے بہت زیادہ طاقت ور ہوتی ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ برزخ میں جا کر مزاج بہت نازک ہو جاتا ہے۔ اور نگاہ بہت وسیع۔ دنیا میں بیٹھے ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا تھا کہ ممکن ہے تم میں سے کوئی شخص زیادہ باتیں کر سکتا ہو۔ دوسرے پہ اپنا حق زیادہ جتائے۔ حالانکہ اس کا حق نہ ہو وہ باتیں کر کے مجھے اس بات پر قائل کرے۔ فرمایا لیکن یاد رکھو آخرت میں وہ شے اس کے لیے بہت بڑی مصیبت ثابت ہوگی۔ دنیا میں تو باتیں بنا کر انبیاء علیہم السلام کے سامنے کسی شے کو اپنی منشا کے مطابق پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن برزخ میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ برزخ میں ان حضرات کی جو برزخ میں تشریف رکھتے ہیں۔ نگاہ بہت وسیع ہوتی ہے اور روح کی نگاہ براہ راست روح پر قلب پر اور باطن پہ پڑتی ہے۔ زبان کی وہاں بات ہی نہیں ہوتی۔ برزخ کی زبان لفظی نہیں ہے وہ نفسی ہے۔ زبان لفظی جو ہے وہ دنیا میں ہے اور صرف مادی اجسام کیلئے ہے۔ روح کے لیے برزخ میں کلام ہمیشہ نفسی ہوتا ہے۔ اس میں الفاظ نہیں ہوتے اور بات بھی ہو جاتی ہے۔ یعنی جو کچھ ایک دل میں ہوتا ہے وہی کچھ دوسرے دل پہ روشن ہو جاتا ہے۔ جو کچھ اس کا جواب اس کے دل پہ ہوتا ہے۔ شیخ کی طرف سے ہوتا ہے۔ وہ ہی اس دل میں آجاتا ہے۔ اگر الفاظ ہوتے تو پاس بیٹھنے والے دوسرے لوگ بھی سنتے، الفاظ ہوتے تو یہ کان سنتے، کان نہیں سنتے دل سنتا ہے۔ کلام نفسی میں کوئی بناوٹ نہیں بنائی جا سکتی۔

چونکہ جو کچھ دل جو کچھ ذہن میں ہے وہ مترشح ہوگا۔ وہ پیش ہوگا۔

دوسری مصیبت اس دور کی یہ ہے جس میں صوفیوں کو ہرگز مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ ہر شخص اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسروں کے اعمال کو جانچنے کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ فلاں نے یہ کردیا فلاں نے وہ کہہ دیا فلاں اچھا نہیں کرتا فلاں بُرا کرتا ہے۔ فلاں کو چھوڑ دو۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کے ساتھ سوئے ظن حرام ہے۔ بدظنی حرام ہے اور اللہ کریم نے اس سے منع فرمادیا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمادیا ہے۔ پھر کسی بھی شخص کے عیوب اس کی عدم موجودگی میں شمار کرنا ہی غیبت ہے اور شدت سے حرام ہے سختی سے منع ہے۔ بلکہ قرآنِ کریم کے الفاظ ایسے ہیں کہ غیبت کرنے والا گویا مرنے کے بعد اس کا گوشت کھانے والا ہے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو عرض کیا گیا یا رسُول اللہ ﷺ اگر اس شخص میں وہ عیب ہو تو اس کے پیچھے وہ بیان کریں تو فرمایا یہی تو غیبت ہے اگر اس میں وہ نقص نہ ہو تو کوئی بیان کرے تو یہ تو بہتان ہے۔ جو اس سے بھی بڑا جرم ہے۔ کسی شخص میں ایک غلطی نہیں ہے اور ہم اسے دہراتے ہیں۔ ہم اسے بیان کرتے ہیں تو یہ بہتان ہے یہ اس سے بھی بڑا جرم ہے اور اگر اس میں ہے اور ہم اس سے پیچھے بیان کرتے ہیں۔ یہی غیبت ہے۔ ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی میں کوئی کمزوری ہے اور آپ کو اس کے ساتھ انس ہے تو اسے خود اس سے آگاہ کریں۔ بھائی آپ اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور یہاں اس میں کمزوری ہے۔ ممکن ہے اس کی اصلاح ہوجائے اور اگر وہ اصلاح نہ کرے تو آپ کو تو بات کرنے کا صلہ مل جائے گا اور خواہ مخواہ کسی سے بدگمان ہونا یہ تو انتہائی معیوب بات ہے۔ بلکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے ساتھ بھلائی کا گمان رکھو ظنّوا بالمومنین خیراً

اچھائی کا نیکی کا گمان رکھو۔ اس سب کے باوجود اگر کوئی برائی کرتا بھی ہے تو یقیناً اس کا بدلہ پائے گا۔ کسی دوسرے کو اس کے لیے متفکر ہونے کی اور جان گھلانے کی ضرورت نہیں ہے اگر بیان نہیں کر سکتے۔ تو اس کے لیے دعا کریں مسلمان کا اور خصوصاً اپنے احباب کا ایک دوسرے پہ حق بنتا ہے۔ اگر آپ کسی کو دیکھتے ہیں نقص میں غلطی میں گناہ میں مبتلا ہے۔ منع نہیں کر سکتے تو اس کے لیے دعا کریں۔ بھلائی تو یہ ہے۔ نہ یہ کہ کسی میں کوئی ہے یا نہیں اسے اچھالنا شروع کر دیا جائے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ لوگوں کو صاحبِ مجاز مقرر فرمایا تھا اور پھر میرے ہوتے ہوئے آپ نے اس فہرست میں کچھ ترمیم بھی فرمائی تھی۔ اس لیے نہیں کہ جن لوگوں کے نام قلم زد کر دیئے گئے وہ معاذ اللہ کوئی بدکار تھے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے میرے سامنے اس کی وجہ بھی ارشاد فرمائی تھی۔ یعنی صاحبِ مجاز ہونے کی ضرورت اس لیے ہے کہ کوئی شخص کام کرے۔ نئے لوگوں کو حلقہ ذکر میں داخل کرے۔ انہیں توجہ دے۔ ان کی تربیت کرے انہیں لطائف کرائے۔ انہیں مراقباتِ ثلاثہ کرائے اور اگر کوئی شخص نیک بھی ہے متشرع بھی ہے صاحبِ حال بھی ہے۔ لیکن وہ یہ کام نہیں کر سکتا تو محض خلفاء کی فہرست بنانا مقصود نہیں۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں تو اس طرح سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میرے سامنے فہرست طلب فرمائی اور اس میں سے ایک ایک نام پہ آپ نے نگاہ فرمائی۔ پھر فرمایا یہ رہنے دو۔ یہ کاٹ دو اس طرح سے وہ فہرست مکمل ہوئی جو آپ کے پاس "المرشد" کی وساطت سے پہنچی ہے تو جن لوگوں کے نام پہلے اعلیٰ حضرتؒ نے ارشاد فرمائے تھے۔ وہ بھی اعلیٰ حضرتؒ ہی کا حکم تھا۔ اگر کٹ گئے تو وہ بھی اعلیٰ حضرتؒ ہی کا حکم تھا۔ اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ میرے سامنے قلم زد ہوئے تھے اور

اس کی یہی وجہ اعلیٰ حضرتؒ نے خود ارشاد فرمائی تھی ۔ کچھ ایک دو نام ایسے بھی ہیں۔ جن کے بارے میں احباب نے شکایت کی تھی۔ اعلیٰ حضرتؒ نے مجھ سے بھی استفسار فرمایا تھا۔ کیا کیا جائے ۔ تو میں نے عرض کیا حضرت بعض لوگ دوسروں کو سنبھال نہیں سکتے ۔ بعض لوگ طبعاً خود نیک ہوتے ہیں۔ صالح ہوتے ہیں۔ اچھے ہوتے ہیں لیکن دوسرے کو لیکر چلنا اس کے لیے کچھ اور خصوصیات چاہئیں۔ میرے خیال میں جن کے خلاف شکایات ہو رہی ہیں۔ ان کی کمزوری یہی ہے کہ یہ دوسروں کو مطمئن نہیں کر پاتے ۔ اعلیٰ حضرتؒ نے بھی اس سے اتفاق فرمایا تھا۔ اور آپ کے الفاظ تھے کہ کسی کو جماعت سے نہ نکالا جائے کام نہیں کر سکتا تو وہ اور بات ہے ۔

صاحبِ مجاز حضرات کی ڈیوٹی یہ ہے ان کے فرائض میں یہ بات ہے کہ وہ جماعت کے احباب کو سنبھالیں ۔ نئے لوگوں تک پیغام پہنچائیں ۔ نئے نئے لوگوں کو حلقہ ذکر سے روشناس کرائیں ۔ انہیں توجہ دیں انہیں ذکر کرائیں ۔ لطائف کرائیں ۔ مراقبات کرائیں۔ ہر صاحبِ مجاز فنا بقا تک منازل کرانے کا اختیار رکھتا ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ تک ہر صاحبِ مجاز کو حضرت نے اختیار دیا تھا۔ لیکن اعلیٰ حضرتؒ نے کسی کو بھی فنا بقا سے آگے توجہ دینے کی اجازت نہیں دی۔ نہ کسی میں اس کی استعداد ہے نہ کوئی کرا سکتا ہے ۔ ہاں اگر کسی کو حضرتؒ نے فنا ربقاء سے آگے مراقبات کرائے ہیں یا حضرت کے مقرر کردہ حضرات میں سے کسی نے کرائے ہیں اور پھر وہ کسی صاحبِ مجاز کے پاس ہو اور اس صاحبِ مجاز کے اپنے منازل بھی وہاں تک ہوں یہ ضروری نہیں ہے کہ صاحبِ مجاز کے منازل سب سے آگے ہوں۔ اور صاحبِ مجاز کوئی دوسرا ہو۔ تو جہاں تک وہ خود جاتا ہے وہاں تک تو اسے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ

دی ہے۔ کسی ساتھی کو یہاں اجتماع میں کوئی نعمت حاصل ہوئی ہے۔ تو اس پر اس کے ساتھ وہ ذکر کرا سکتا ہے۔ صاحب مجاز خود ذاتی طور پر کسی کو فنا بقا ء سے آگے کچھ نہیں دے سکتا۔ یہاں تک تو بات تھی دینے کی۔

جو منازل اور مراقبات اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کو کرائے ہیں۔ وہ دنیا کا کوئی فرد اس سے چھین نہیں سکتا۔ خود غلطی کر کے ضائع کر دے یا اعلیٰ حضرتؒ خود سلب فرمائیں یا کوئی اور ہم چاہیں تو وہ مراقبات جو حضرت جیؒ نے کسی کو کرائے ہیں۔ وہ نہیں چھین سکتے ان کی امانت ہے اور جس شخص میں مراقبات کرانے کی استعداد ہو گی۔ وہ کسی سے چھینے گا بھی نہیں۔ نہ کبھی حضرت نے سلب فرمائے اور یہ تاکید بھی فرمائی گئی کہ کسی سے مراقبات کو سلب نہ کرنا۔ اگر کوئی جماعت سے خارج بھی ہو جائے۔ چلا بھی جائے۔ چھوڑ بھی جائے تو اس کے مراقبات سلب نہیں کیے جاتے۔ اس لیے کہ اگر یہ نعمت سلب کی جائے تو ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ انسان کافر ہو کر مرتا ہے۔ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ از خود ضائع ہو جائیں بند ہو جائیں تو وہاں یہ گمان رہتا ہے کہ شاید اس کا ایمان بچ جائے لیکن اگر اسے سلب کیا جائے تو اس میں ایمان کی کیفیت سلب ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ حضرتؒ اس سے منع فرماتے تھے اور خود بھی سلب نہیں فرماتے تھے۔ جو لوگ ضائع ہو گئے۔ ان میں سے ایک دو حضرات ایسے تھے جن کے منازل سلب کئے گئے تھے۔ اعلیٰ حضرتؒ نے وہ انتہائی مجبوری کی حالت میں سلب کئے تھے۔

کیونکہ انہیں مشاہدات ہوتے تھے اور اگر مشاہدات سلب نہ کیے جائیں تو جماعت سے خارج ہونے کے بعد بھی رفتہ رفتہ بند ہوتے ہیں۔ جس طرح حضرتؒ مثال دیا کرتے تھے کہ سورج غروب ہو جائے تو یک لخت تاریکی نہیں چھا جاتی بلکہ روشنی رہتی ہے۔ پھر رفتہ

رفتہ رات تاریک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی منازل کو ضائع بھی کر بیٹھے تو ایک دم اس کے مشاہدات بند نہیں ہوتے۔ کم ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ یا ان میں غلطیاں لگنا شروع ہو جاتی ہیں پھر رفتہ رفتہ بند ہو جاتے ہیں۔

تین حضرات ایسے تھے۔ ایک تو بہت غیر معروف ہے اور دو ایسے ہیں جن کو اکثریت جانتی ہے۔ انہوں نے اپنی ان غلطیوں کی بنیاد پر غلط عقائد پھیلانا شروع کر دیئے تھے تو حضرات نے ان سے یہ نعمت سلب فرمائی اور تینوں کفر پر مرے تینوں کا ایمان بھی سلب ہو گیا تھا۔ اسی لیے حضرت جیؒ نے منع فرما دیا تھا کہ کسی سے یہ دولت سلب نہ کی جائے۔ اگر کوئی بھی غلطی کرتا ہے تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ خود اس سے یہ نعمت ختم ہو جائے گی۔ اپنے آپ ختم ہو جائے تو ممکن ہے ایمان تو باقی رہے لیکن اگر آپ کھینچ کر نکالیں گے تو شاید وہ سارے جذبات جن کا تعلق ایمان سے ہے وہ سلب ہو جائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے ذمہ احباب کو سنبھالنا، ان کی تربیت کرنا انہیں عافیت برزخ تک پہنچانا ہے۔ اگر ہم یہ نہ کر سکیں تو ہم ان کے لیے راستے میں مصائب پیدا نہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم ہی ان کے گرنے کا سبب بن جائیں۔ ہمارے ذمہ ان پودوں کا پالنا ہے کاٹنا نہیں۔

صاحب مجاز حضرات کے علاوہ جو ساتھی جہاں بھی رہتا ہے اور دوسروں سے اس کا ایک مراقبہ بھی آگے ہے۔ یا قوی ہے اور وہ دوسروں سے علمی اعتبار سے یا کسی اور اعتبار سے فوقیت رکھتا ہے۔ تو وہی وہاں کام کرتا ہے۔ خدمت کرتا ہے۔ کبھی اسے امیر بنا دیتے ہیں تو وہ سارے لوگ ذکر کروا لیتے ہیں اور یہ اللہ کی شان ہے۔ حضرت کی جماعت

کے ہر ہر فرد میں یہ قوت ہے کہ کسی کو پاس بٹھا کر توجہ دینا شروع کر دے تو اس کے لطائف جاری ہو جاتے ہیں۔ صاحب مجاز ہونا تو صرف اتنی سی بات ہے کہ اس کے ذمہ وہ فریضہ عائد ہو جاتا ہے۔ اور جتنی اہمیت ہے اس کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔ اتنی اہمیت سے دوسرے کے ذمے نہیں ورنہ تو ہر ساتھی جہاں بھی ذکر کرتا ہے۔ کوئی نہ کوئی انہیں ذکر کراتا ہے۔ اور کسی نہ کسی کو بہرحال کرانا ہے۔ امیر حضرات ذکر کرا سکتے ہیں۔ مگر مراقبات ثلاثہ کے لیے بھی صاحب مجاز کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ نئے ساتھی کو اوّل توجہ صاحب مجاز سے حاصل کرنا ہو گی۔ پھر وہ مراقبات امیر حلقہ بھی کراتے رہیں تو پختہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح تمام صاحب مجاز حضرات کو بندہ کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔ اگر وہ کسی کو فنا بقا سے آگے توجہ دلانا چاہتے ہوں تو۔ ورنہ وہ خود کوشش کرتے رہیں تو کچھ حاصل نہ ہو گا۔ نیز یہ چیز للّٰہیت خلوص اور محبت چاہتی ہے۔ اس میں اندیشے وسوسے بہتان اور ناراضگیاں نہیں پنپ سکتیں۔ دو میں سے ایک شے رہتی ہے۔ یا یہ دولت رہنی ہے۔ یا نفرتیں رہتی ہیں۔ ہمارا رشتہ کوئی دُنیاوی نہیں ہے۔ ہمیں ایک دوسرے سے دُنیا کا لالچ بھی نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی مزدوری کرتا ہے۔ اپنے لیے اللہ سے رزق حاصل کرتا ہے۔ اپنا وقت اپنی محنت، اپنے آرام کو قربان کر کے یہاں حاضر ہوتا ہے تو اس کی غرض یہ ہے کہ واپس جائے تو کچھ نہ کچھ لے کر جائے اور اگر یہ بھی نہ ہو کم از کم حالت پہلے سے سدھری ہوئی ہو۔ اگر کوئی مریض سارا صحت مند نہ ہو جائے تو کم از کم پہلے کی نسبت تکلیف تو کم ہو جائے۔ اس کیلئے یہ چلہ ضروری ہے جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس لیے تجویز فرمایا تھا۔ کہ یہاں زیادہ ساتھی پورا چلہ لگائیں۔ کیونکہ سال بھر میں مسلسل توجہات نصیب نہیں ہوتیں۔ مسلسل ملاقات نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی شخص ایک چلہ مختص کرے تو بفضل اللہ بہت زیادہ کام ہو سکتا ہے۔ اگر چلہ نہ بھی ہو تو جتنا زیادہ سے زیادہ وقت لگایا جا سکے اتنا زیادہ سے زیادہ وقت لگانا چاہیئے اور پھر یہاں دار العرفان میں آپ جتنا وقت بھی رہیں آپ بالکل اسی طرح رہیں جس طرح کوئی معتکف مسجد میں رہتا ہے۔ ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر نہ جائیں۔ ضرورت کے علاوہ کسی سے بات نہ کریں۔ کسی طرف فضول دیکھیں نہیں۔ فضول کھانے پینے کی کوشش نہ کریں۔ جو کچھ دال روٹی ملتی ہے اس پہ قناعت کریں۔ پیٹ کو بھی شاکر بنائیں اور پھر زیادہ زور زیادہ توجہ اس مقصد کے حصول پہ مرتکز رکھیں۔ جس کے لیے آپ نے وقت نکالا ہے یہ سفر اور یہ ساری کوفت برداشت کی ہے۔

اگر ان ساری احتیاطوں کے ساتھ کوئی ہفتہ بھر بھی کسی کو نصیب ہو گیا۔ انشاء اللہ بہت کچھ کام ہو سکے گا۔ بہت کچھ تعمیر و ترقی ہو سکے گی۔ تو یہ ابتدائی اور چند مختصر سی باتیں تھیں جو میں نے عرض کر دیں۔ انہیں بے شک دوسروں تک پہنچائیں۔ خود اپنے لیے محنت بھی کریں۔ زیادہ سے زیادہ وقت لطائف پہ لگائیں اور جو بات اس کے متعلق جاننا چاہیں۔ یہیں سے پوچھیں اور ضرور یہ پوچھیں کہ پھر وہ آپ کہاں سے جائیں گے۔

معمولات کے اوقات مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ٹائم ٹیبل کو مدِ نظر رکھیں خلوص اور محبت کے ساتھ اپنے کام میں جُت جائیں۔ اللہ کریم آپ سب کو زیادہ سے زیادہ برکات عطا فرمائے اور استقامت علی الدّین سے نوازے۔ حاضر و غائب جماعت کی حفاظت فرمائے۔ آمین! وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

خویش را در عاشقاں بشمردهٔ
شمع دل افروختی و افسردهٔ